ہم سب گدھ ہیں

701-800

فکرِ سلطان

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

ڈاکٹر سلطان محمود

کتاب کا سٹیٹس

نمبر شمار	عنوان	کمنٹس
1	کور پیجیز	شامل ہے
2	فہرست مضامین	شامل ہے
3	مضامین کی درجہ بندی	ابھی کرنی ہے
4	مواد کی درستگی	فائنل ریویو باقی ہے
5	گرامر اور زبان	غلطیاں ہائی لائٹ کی گئی ہیں
6	گمشدہ مواد	04 فی صد تک مضامین گمشدہ ہیں
7	غلطیوں کی اصلاح	فائنل ریویو باقی ہے
8	سرخیاں (مستقل سطح اور ترتیب)	بہتر کی جا سکتی ہیں
9	خطوط (فونٹس - مستقل مزاجی اور درست استعمال)	تقریباً ٹھیک ہیں
10	حروف کا سائز (عنوانات، سرخیاں، متن)	بہتر کی جا سکتی ہیں
15	رنگ (متن اور ڈیزائن عناصر)	ضرورت نہیں
16	صفحہ نمبر نگ	شامل ہے
17	حاشیے (مستقل اور ترتیب کے مطابق)	ضرورت نہیں
18	سرخی اور پانوشت (ہیڈر اور فوٹر)	شامل ہیں
19	ساخت اور ترتیب	تقریباً ٹھیک ہے
20	حوالہ جات	فائنل ریویو کی ضرورت ہے

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

کالمز 701 تا 800

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

COLUMNS 701-800

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

فکرِ سلطان

(مصنف: ڈاکٹر سلطان محمود)

FIKAR-E-SULTAN

BY: DR. SULTAN MAHMOOD

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر
ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ

Managing Director
ECOCARE CONSULTANCY SERVICES (ECCS) PVT. LTD.
www.ecocare.pk

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

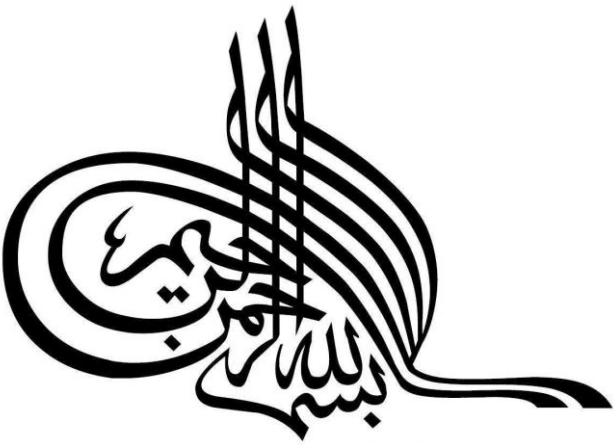

In the name of Allah,
the Most Beneficent,
the Most Merciful

انتساب

Dedicated to the one I love in the Quest of truth.

میری فکر اس کے نام جس سے میں سچ کی تلاش میں آج بھی پیار کرتا ہوں۔

فکرِ سلطان: جملہ حقوق

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

سیریز	فکرِ سلطان (10 سیریز)
مصنف	ڈاکٹر سلطان محمود
ناشر	ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز (ای سی سی ایس) پرائیویٹ لمیٹیڈ
پبلیشر	ماروِل سسٹم
نظرِ ثانی	انعم عروج
اشاعت	2024

فکرِ سلطان : فہرست سیریز

نمبر شمار	عنوان	کل کُتب
1	سیریز اول: ہڈ بیتی	12
2	سیریز دوم: غذا اور صحت	30
3	سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا	13
4	سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی	31
5	سیریز پنجم: غذائی تحفظ	06
6	سیریز ششم: دیہی ترقی	01
7	سیریز ہفتم: سماجی رویئے	04
8	سیریز ہشتم: طنز و مزاح	10
9	سیریز نہم: شعر و شاعری	02
10	سیریز دہم: تصویری مسافت	01
--	کل کُتب	110

تعارف: فکرِ سلطان سیریز

ڈاکٹر سلطان محمود نے اپنی نصف صدی کی کاوش کو سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر چلایا نیز غذائی تحفظ ایک کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کی ہمہ جہت کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھالے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بائیوڈائیورسٹی کی ہئیت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تا کہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ سفر مندرجہ ذیل دس سیریز پر مشتمل ہے۔

سیریز اول: ہڈ بیتی

ایک شاندار اور سمجھدار دماغ، شفاف کردار، شاعرانہ روح اور نچلی سطح کی تنظیموں میں مہارت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ڈاکٹر سلطان محمود نے ملکی ترقی کے مسائل اور تحریکوں کے سب سے زیادہ موثر اور محبوب لیڈروں کے جھرمٹ میں اپنا مقام حاصل کیا ہے۔ ان کو ملے غیر معمولی قدرتی تحائف میں ایشیا، یورپ، امریکہ، تین براعظموں کی سات جامعات سے حاصل شدہ اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت کی بنیاد پر انسان کی غذائی ضروریات اور قدرتی ماحول کے درمیان گہرے تعلق کا ادراک ہے۔ غذائے انسانی میں استعمال ہونے مویشیوں، ماحولیات اور انسانی صحت کے بارے میں وہ آزادانہ گہری تفہیم بھی شامل ہے جو ملکی رویوں کی زبوں حالی کے باعث ہمیشہ زوال پذیر رہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مطلق العنان سیاسی اور پدرسری نظام سے کس طرح کی حکمت سے جنگ لڑ کر جیتی جاتی ہے اور کیسے انسانیت اور تخلیق دونوں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔ نیز اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ایک عام سے متوسط گھرانے سے اُٹھ کر 17 سے زائید ممالک میں اپنی صلاحیتوں کا کیسے لوہا منوایا۔ یہ قاری کو ان کی زندگی کے سفر کو پڑھ کر ہی اندازہ ہو گا کہ محدود مالی وسائل سے کوئی بھی لمحہ فروغ گذاشت نہ کرتے ہوئے کیسے، "تبدیلی کا ڈھانچہ بنایا جا سکتا ہے"۔

سیریز دوم: غذا اور صحت

غذائی علاج جیسی اپنی پچھلی مشہور کتابوں کی طرح، مصنف ماحولیاتی حکمت، پر جوش سرگرمی اور بے عیب پیشہ ورانہ سوچ کے ساتھ پھر سے چمک رہا ہے۔ اس سیریز میں مصنف کی نگارشات اس بات کا ثبوت دیتے دکھائی دیتی ہیں جو انسانی خوراک و غذا پر موسمیاتی تبدیلی کے برے اثرات کو کم کرنے کے لیے مقامی اور بین الاقوامی کارپوریٹ سطح کی کوششوں کے لیے کیے جانے ضروری ہیں۔ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مصنف نے کس طرح حیاتیاتی تنوع کے تحفظ اور کسان برادریوں کے حقوق کے لیے اپنی کوششوں کو حوصلے کے ساتھ جاری رکھا۔ مصنف نے 1997 میں غذا و صحت کے میدان میں چھلانگ لگائی اور پھر اسے اس وقت تک اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا جب تک کہ ورلڈ بنک کے راشد القیوم مرحوم کے مشورے کے پیش نظر ڈاکٹریٹ کے بارہ برس بعد پنجاب یونیورسٹی سے ماحولیات کی ڈگری نہیں لے لی۔ اور پھر انسانی غذا کی پیداوار پر ماحول کے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لینا نہیں شروع کر دیا۔

سیریز سوم: حیوانات برائے انسانی غذا

غذائی تحفظ کی تخفیفی سائنس تقاضہ کرتی ہے کہ پیچیدہ سائنسی و معاشی معاملات کو ان کی سادہ ترین اشکال میں ڈھال کر انسانی مسائل کو آسان تر بنایا جاسکے۔ تخفیفی سائنس کے تنقیدی اظہاریے جیسا شدید پس منظر رکھنے والا ڈاکٹر سلطان محمود نچلی سطح کی متعدد انجمنوں اور تحریکوں کا ایک سنسنی خیز

موجد، شریک موجد اور کٹڑ حمایتی بھی رہا ہے۔ نیز افزائشِ حیوانات، جنگلات، پانی اور کسان تنظیموں کے تحفظ کی ان تمام ضروری تحریکوں کا روحِ رواں بھی ہے جو زندہ زرعی معاشرے کا تانا بانا ہیں۔ اور یقین رکھتا ہے کہ اس تانے بانے سے انسانی دنیا کا اہم ترین مسئلہ یعنی بھوک سے نجات والا کپڑا بنا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کو حصول میں اس کی جس مضمون نے سب سے زیادہ رہنمائی کی وہ ان کے گریجوایشن کے مضامین تھے۔ جنہوں نے انسانی غذا میں شامل چالیس فی صد جزو جو حیوانات سے حاصل ہوتا ہے، اس کا ادراک گہرا کیا۔ گوشت، دودھ اور انڈے کی پیداوار اور پھر متناسب پیداوار انسان کو بھوک کے المیے سے دوچار نہیں ہونے دیتی۔

سیریز چہارم: ماحول و موسمی تبدیلی

ڈاکٹر سلطان محمود کی زندگی کی کہانی ماحولیات، سماجی سیٹ اپ اور گورننگ سنٹی کو بچانے کی جدوجہد کی وہ زندہ مثال ہے جس میں نصابی اور زمینی حقائق دونوں کام آئے۔ وہ اپنے سیارے کے ماحولیاتی نظام کے کام اور ضرر رساں کارٹیل اور اس کے حامیوں کے تباہ کن اثرات کو گہرائی سے سمجھتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنا ان گہرے مسائل کے اسباب کے بارے میں قاری کے ذہن کو کھولے گا جس میں چند لوگ اپنے برے اعمال کی وجہ سے اکثریت کو دھکیل رہے ہیں نیز اس کے مطالعے سے قاری کو حکومت کے طاقتور تکبر سے نکل کر کسان کی طرف پلٹنے کی امید اور حوصلہ ملے گا۔ یہ خوبصورتی سے لکھی گئی یادداشت ایک زبردست داستان ہے جو زمین، زندگی اور ہمارے قیمتی سیارے کی سالمیت کی خواہش رکھنے والے ہر فرد کو پتا ہونی چاہیے۔ مغربی کارپوریٹ سیکٹر کے ESG کی جانب کاروباری جھکاؤ سے مصنف نے جو کچھ امریکہ، یورپ اور خلیجی ممالک سے سمجھا، وہ

اس نے اپنے ایکو کیئر بزنس اور سوشل میڈیا آگاہی والے گروپس اور چینل کے ذریعے آنے والی نسل کو پوری طرح سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس سیریز کا 30 کُتب کی شکل میں مخطوطہ بڑی تفصیل سے واضع کرتا ہے کہ جونہی ملک کو کارپوریٹ کلچر کے ذریعے ترقی کی جانب غیر متوازن انداز میں دھکیلا جاتا ہے تو وہ کس طرح ہمارے مجموعی سماجی ڈھانچے کو متاثر کرتا ہے۔ اس سے ملک میں ایک غیر متوازن ماحولیات اور سماجی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ جو بالآخر وسائل کی نامنصفانہ تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تئیں تمام ماحولیاتی پراجیکٹس میں قابل کاشت زمین، انسانی روزگار اور گرم ہوتے ہوئے کرہءزمین کے باعث گلیشیر پگھل کر طوفانی انداز اختیار کرنے جیسے مضامین کو کافی گہرائی سے دیکھا ہے۔ نیز اس سیکٹر میں پورا جذب ہونے کے لیے اپنی سرکاری نوکری سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر نیسپاک جیسی قومی و عالمی ایجنسیوں کے ماحولیاتی پروگرام کا جارحانہ حصہ بن کر انسانی غذا کی تخفیفی سائنس سے بھرپور کام لیا ہے اور چار سو سے زائید ماحولیات پراجیکٹس کو کامیابی سے ہمکنار کر کے ملک کے عوام اور حکومت کے کام کو نہائیت آسان بنا دیا ہے۔

سیریز پنجم: غذائی تحفظ

ڈاکٹر سلطان محمود کی ذاتی کاوشوں کا سارا نچوڑ صرف "غذائی تحفظ" کے ارد گرد ہی گھومتا ہے۔ جسے اصولی طور پر اولین سیریز میں جگہ ملنی چاہیے تھی، لیکن تخفیفی سائنس کا خوگر ہونے کے باعث انہوں نے مناسب جانا کہ پہلے ان اوامر کا ذکر کیا جائے جو غذائی تحفظ یا عدم تحفظ کا باعث بنتے ہیں۔ تبھی انہیں نے اپنے فکری سفر کا آغاز اپنے پسندیدہ مضمون (سیریز دوم غذا و صحت) سے شروع کرنا

مناسب جانا اور انسانی صحت پر غذا کی ضروریات اور اثرات کا شروع میں جائزہ پیش کر دیا۔ یعنی باالفاظ دیگر اپنی فکر کی بنیاد انسانی جِبلّت بھوک پر رکھی۔ پھر مناسب انسانی صحت بر قرار رکھنے کے لیے مناسب غذا کی پیداوار، سپلائی چین، قوتِ خرید اور جسمانی ضروریات پر رکھی۔ دھیرے دھیرے اس تخیل کو راسخ کر لینے کے بعد وہ اپنے بنیادی مضمون یعنی ان حیوانات کی جانب پلٹے جو انسانی خوراک میں دودھ، گوشت اور انڈے کی شکل میں روزانہ کی ضرورت کا چالیس فی صد پر مشتمل ہے۔ اس منطقی تعلق سے ان کی فکری گہرائی کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اگر بہترین اور مناسب ماحولیاتی انتظامات کر کے پانی کے ذرائع پر بحث مکمل کر لی جائے تو یہ غذائی تحفظ کی ایک ایسی گارنٹی ہے جو افزائشِ حیوانات کے ذریعے انسانی صحت کی ضامن ہے۔ یہاں یہ بھی واضع ہو جاتا ہے کہ شدید سیلاب ہر سال جو حیوانات کی تباہی لاتے ہیں ان پر موثر قابو پا کر انسان کم سے کم چالیس فی صد غذائی ضروریات کو تو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ منطقی سوچ یورپ اور امریکن جامعات کی فلاحی سائنسیز پر کام کر کے پیدا ہوئی۔ گو کہ ڈاکٹر سلطان محمود کے تیکنیکی کام میں سب سے کم کتب اسی غذائی تحفظ سیریز کا حصہ بنیں لیکن حقیقت بھی یہی ہے کہ عظیم تحقیقات اور کاوشوں کا خلاصہ ہمیشہ مختصر ہوتا ہے۔

سیریز ششم: دیہی ترقی

ویسے تو حیوانات کی افزائش ایک دیہی موضوع ہے جہاں ہمارا 70 فی صد کسان اپنا خون جلا کر صبح شام انسانی غذائیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کے غیر متوازن دیہی ترقی کے میدان کی بجائے ہمیشہ شہری ترقی و سہولیات کو اولیت حاصل رہتی ہے۔ جس نے ایک جانب اگر غذائی عدم تحفظ کا

خطرہ مول لے لیا ہے تو دوسری جانب شہر کی طرف نقل مقانی کی عفریت کو بھی جنم دیا ہے۔ ایسے غیر دانشمندانہ حکومتی اقدامات کا نتیجہ ایک ایسی بے ہنگم معاشرتی زندگی کی شکل میں رونما ہوا ہے کہ جس میں حکومت گاؤں چھوڑ کر شہر میں بسنے والوں کے مسائل کو شہری ترقی کی ناکامی کی شکل میں سہہ رہی ہے اور نہ وہ ان کو خدا ہی مل پا رہا ہے اور نہ وصالِ صنم ہو رہا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کو تو خیر چھوڑیں اگر کل کے غریب چین اور بھارت ہی کی مثال لے لیں تو ان کے ہاں غذائی تحفظ شہر و دیہاتی زندگی میں توازن لانے سے ممکن ہوا ہے۔ اور محض بیس برس میں ان دو ممالک کے دو ارب لوگ دن میں ایک کھانے سے دو کھانوں کے قابل ہو گئے ہیں۔ ان دونوں ممالک نے اپنے آبی ذخائر پر ہزاروں ڈیم بنا دیئے ہیں جن سے وہ نہ صرف غذائی تحفظ یقنی بنا رہے ہیں بلکہ اپنی توانائی کی ضروریات بھی پوری کر رہے ہیں۔ حالانکہ عالمی موسمی تبدیلیاں ان پر بھی ویسے ہی اثر انداز ہو رہی ہیں جیسے باقی کرہء ارض پر رونما ہوتی ہیں۔

سیریز ہفتم: سماجی رویئے

ڈاکٹر سلطان محمود اپنے عالمی ایکسپوژر کے باعث خلیجی ممالک میں رواج پا جانے والے حالیہ شعبہ جات میں ماحولیات سے متصلہ کارپوریٹ سیکٹر کی نئی جہت ای ایس جی سے کافی متاثر ہوئے لہذا انہوں نے ملک عزیز کی اس شعبہ میں لاعلمی کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی کل نگارشات میں سے سوشل اور گورننس کے شعبہ جات کو ماحولیات کی کتب کے علاوہ خود مختار کتابی درجہ دے دیا اور اس کے لئے انہوں نے سیاست، مذہب، تعلیم، آبادی، تکنیکی تربیت، شہری و دیہی ترقی وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر جو کچھ تجربات حاصل کئے تھے اسے اکٹھا کر کے اس سیریز کا حصہ بنا

دیا ہے۔ سابقہ اعتبار سے وہ اپنی نگارشات کو حاصل مطالعہ بھی کہتے ہیں، اس مطالعے کا حاصل جو انہوں نے مغرب سے حاصل کیا اور سنجیدہ عملی و علمی سفر کو اپنے وطن میں بھی لاگو کر سکتے ہیں۔ گو کہ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ "کامن سینس" اتنی بھی کامن نہیں ہوتی "لیکن امیدؔ واثق رکھنے ہیں کہ جونہی عوام خصوصاً کسان میں تعلمی کمی دور ہو گی، سماج میں لازمی بہتری آئے گی۔

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

اس جہت پر ڈاکٹر صاحب ایک اتھارٹی ہیں اور خود اپنے اوپر تنقید کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے اگر طنز و مزاح کے گڑھ لائلپور یا فیصل آباد میں چوتھائی صدی نہ گزاری ہوتی تو میرے اندر کا اصلاحی جذبہ طنز اور شگفتگی کی شکل میں باہر نہ آتا۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اس سیریز میں نہ صرف سب سے زیادہ کتب ہیں جو ایک منفرد انداز میں مقامی و عالمی سیاست، مذاہب، نیز دیگر سماجی موضوعات پر طنزیہ و فکاہیہ انداز میں تخلیق شدہ تاریخ کا شاندار اور متاثر کن عالمی منظر نامہ پیش کرتی ہیں جسے ڈاکٹر صاحب نے اپنی طنزیہ و فکاہیہ ندرت اظہار کے باعث اسے میٹھا سچ سیریز کا نام دے دیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مصنف مقامی طور پر قلیل مدتی طاقتوں کی سماجی خرابیوں کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست کی خود غرضی کا بھی سامنا کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ یہ سیریز ایک شان اور روشنی کے ساتھ بیشمار سیاسی، سماجی اور منطقی حل بھی فکاہیہ انداز ہی میں پیش کرتی ہے۔ مصنف نے ملک کے نمایاں مزاح نگار کرنل محمد خان اور ظفر اقبال کی طرز سے متاثر ہو کر مزاح لکھنے کا آغاز گو کہ کالج لائف سے شروع کر دیا تھا مگر اس انداز کو مہمیز تب ملی

جب وہ نیویارک میں ممتاز صحافی محسن ظہیر کی ادارت میں شائع ہونے والے ہفت روزہ "صدائے پاکستان" سے بحیثیت سب ایڈیٹر منسلک ہوئے۔ نیز انہوں نے لاہور کے چند اخبارات میں اپنے فکاہیہ کالم میٹھا سچ کے نام سے ہی لکھنے شروع کر دیے۔ بقول ڈاکٹر صاحب جگت بازی اور فکاہیہ اندازِ بیان میراثی کو حکومت سے جدا کرتا ہے۔ اور طنزیہ ادب کو سنجیدہ کرتا ہے۔

سیریز نہم: شعر و شاعری

ڈاکٹر سلطان محمود کا بچپن ہی سے شاعرانہ مزاج ہے جسے اظہار کا موقعہ کالج لائف میں کسی ناکام محبت کے جھٹکے سے ملا۔ وہ اپنی جبلت کی افتادِ طبع سے خود ہی نالاں بھی تھے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نہ صرف کبھی کل وقتی شاعر بننا گوارا نہیں کیا بلکہ شاعر کہلوانے سے بھی صاف انکار کرتے ہوئے یہ دلیل اختیار کی کہ میں نے کاغذی شیر بننا کبھی بھی پسند نہیں کیا اور دوسری رکاوٹ ان کی سائنس میں اعلیٰ تعلیم بن گئی جو پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ سے حاصل شدہ تھی جہاں شاعروں کو کارآمد اور قابل استعمال وقت کا دشمن سمجھ کر تنقیدی چھلنیوں سے گزارا جاتا تھا۔ اس کے باوجود تین چار برس میں عروض سمجھے بغیر سینکڑوں غزلیات کہہ دینا شاید ساحر لدھیانوی کی کتاب "تلخیاں" بنی جو عین ناکام عشق کے دوران ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ اپنی ہر نگارش کو بچوں کا سا پیار دیتے ہیں اس لئے انہیں بعض دوستوں نے کلام شائع کرنے پر قائل کر لیا جن میں عروض کی استاد محترمہ کنیز بتول کھوکھر کا بڑا ہاتھ ہے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی لگ بھگ ایک کتاب کے مواد کو عروض پر بھی ڈھال دیا اور جہلم کے ایک استاد شاعر کاشف بٹ نے

بھی ناقابل تردید مدد کی۔ ڈاکٹر سلطان محمود جب اپنی فکر کو تحریری شکل دینے لگے تو انہیں معاصرین نے بے حد مشکل سے راضی کیا کہ وہ اپنے چالیس برس پرانے کلام کو بھی اپنی تحریر میں شامل کریں۔ یہ شاید ڈاکٹر صاحب کی غلطی یا صرف نظر ہی سمجھا جائے گا کہ وہ بہترین کلام غیر ممالک میں تو اردو کمیونیٹی کو توسناتے رہے لیکن ملک عزیز کے اندرونی حلقوں میں قدم تک نہ رکھا۔ البتہ وہ ہمیشہ اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر حسن اختر مرحوم، استاد پروفیسر عظمت اللہ خان مرحوم اور دیگر ادبی مقربین کا ذکر بہت شوق اور محبت سے کرتے ہیں۔

سیریز دہم: تصویری مسافت

بھلا ہو ورلڈ بنک کا جس نے ڈاکٹر سلطان محمود کو تصویری بنک بنانے کی عادت ڈال دی۔ حالانکہ انہوں نے محض دس برس کی عمر میں جیب خرچ بچا کر کوڈک کا دس روپے کا کیمرہ 1967 میں ہی خرید لیا تھا اور اپنے بھائی ہمایوں شوکت کے واحد جس تحفے کی وہ قدر کرتے تھے وہ اس کا امریکہ سے لایا ہوا کیمرہ یاشیکا 124 تھا۔ ایسے ہی ان کے استعمال میں وارسا پولینڈ میں روسی کیمرے "زینتھ"، جرمن "بیٹنس" اور جاپانی "نیکن" کیمرے بھی رہے لیکن پھر ڈیجٹل کیمروں اور موبائل کیمروں نے تو انہیں نہال ہی کر دیا۔ ان کے پاس بزرگوں کے علاوہ مشاہیر زمانہ کی بیشمار تصاویر بھی موجود ہیں جو ہر وقت ان کے لیپ ٹاپ اور سیل فونز کی سپیس کھاتی نظر آتی ہیں۔ اس مشکل کے ہاتھوں انہوں نے مجبور ہو کر اور میاں وقار الاسلام کی صلاح لے کر فیصلہ کیا ہے کہ اپنی زندگی کی کہانی کی تصویری دسویں سیریز کیس شکل میں بنائیں گے۔

سیریل	عنوان	کیٹاگری	صفحہ نمبر
701	ذوالفقار علی بھٹو اور تاریخ کا ستم		
702	ہم سب گدھ ہیں		
703	ہم پر گورے کی حکومت		
704	پسی ہوئی غذائیں		
705	غدار بزرگ		
706	مافیاز کے کارٹل		
707	درخواست برائے دافع البلاء و دافع الشکوک وصفائی القلوب		
708	نہ کہیں مزار ہوتا		
709	دسمبری شاعر ٹرٹرانے لگے		
710	کیا ہر مخلوق کا خالق ضروری ہے		
711	Social Animal		
712	ڈبلیو ڈبلیو ڈبلیو، وٹ وومن وانٹ		
713	جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے		
714	بدکردار کا انتخاب		
715	آتش بازی		
716	چالیس لاکھ کا تجربہ برائے فروخت		
717	انش پی آئی اے 2		
718	یا پھر		
719	سیانے سیانے ہی ہوتے ہیں		
720	دھکا سٹارٹ		
721	دماغ کا سو فیصد استعمال		
722	ایکشن ڈرامہ		

723	مستقل تحفے		
724	ڈگڈگی		
725	ترقی معکوس		
726	دورہ دبئی کا بے لاگ جائزہ		
727	اللہ کے انکاری		
728			
729			
730			
731	ہمارے کارنامے		
732	آدھا بھرا گلاس		
733	خمر یا شراب؟		
734	پرنسپل کنسلٹنٹ کی سالگرہ		
735	ہم اور بنگلہ دیش		
736	ٹرپل اے سے چھوٹے افسر		
737	جعلی جمہوریت		
738	اشتہار برائے ضرورت ادبی استاد		
739	کچھ بھی تمہارا اپنا نہیں		
740	دعا کی قبولیت کا تعلق		
741	بٹوارے کی غلطی		
742	حجامہ کیا ہے		
743	ٹی وی سے بد ظنی		
744	پاک ٹی ہاؤس کا بے ادب ماحول		
745	فضائی شاعر		

746	امریکہ ویزا دے یا بد دعائیں لے		
747	فطری اتحادی		
748	پچیس ہزار چمگادڑ		
749	سیاسی تجویز		
750	"لالچ زندہ ہے ایمانی باقی		
751	اوون کا محفوظ استعمال		
752	خدا کا وجود		
753	کتاب اور روٹی		
754	امریکی مداخلت کب تک		
755	بے حیائی کا سفر بذریعہ سڑک		
756	چپ ہی بھلی		
757	نون لیگی دماغ		
758	خاندانی منصوبہ بندی		
759	ویلنٹائن ڈے		
760	ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں		
761	زبان دانی		
762	لبرلزم کے معنی		
763	میری سیاسی تربیت		
764	کامن سینس		
765	پھوکے شاعر		
766	کیا ایم بی بی ایس بھی عطائی ڈاکٹر ہو سکتا ہے		
767	ریٹائرمنٹ اور ملازم کا ضمیر		
768	ڈاکٹر کہلانے کا شوق		

769	اصل یہودی لابی		
770	چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر		
771	سوشل میڈیا		
772	کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں		
773	نالائق نسلیں		
774	سند علم اور شعور		
775	دبستان اقبال		
776	ضرورت کرنل		
777	جان لیوا ڈاکٹرز		
778	ای ایس جی		
779	سیاسی بصیرت		
780	دکھاوا احساس کمتری ہے		
781	اپنے پاؤں پر کلہاڑی		
782	دینی آلودگی		
783	یادگار شہیداں		
784	راوی دریا کی موت		
785	کیا اولاد نام روشن کرتی ہے؟،		
786	ہمارے سروے		
787	اے جہالت تیرا ہی آسرا		
788	آج کے مصنف		
789	ماحول پر برے اثرات		
790	غذائی ریشہ		
791	معذرت نامہ		

792	طبقاتی نظام		
793	قومیں ایسے بنتی ہیں		
794	????? ایران		
795	شاعری کا مستقبل		
796	ان پڑھ اگین		
797	غذائی عدم تحفظ		
798	سائنس اور مذاہب		
799	حس لطیف		
800	چلو ہار مانتے ہیں		

"ذوالفقار علی بھٹو اور تاریخ کا ستم"

کالم میٹھا سچ 701 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 18 نومبر 2023ء

لگتا ہے ملک میں نئی سیاسی جوڑ توڑ میں اب پیپلز پارٹی نے بھی لفافے بانٹنے شروع کر دیئے ہیں۔ بھٹو کی کہانی کو جھوٹی تعریفوں سے مرصع کر کے اب اس لئے عوام کو احمق نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ ابھی کل کی بات ہے اور عوام کی یادداشت اتنی بھی بری نہیں جتنی لفافے سمجھ رہے ہیں۔

پہلے بھٹو نے ملک توڑنے میں فوج کی مدد کی اور اقتدار کی خاطر مجیب کو غدار ثابت کر دیا پھر اس سوشلزم، اسلامی معیشت، عوامی طاقت اور جمہوریت کا نعرہ بلند کیا جسے خود بھی نہیں سمجھتا تھا اور خود اس کے بزرگوں نے مسلم کشی کے بدلے میں اس کے اجداد کو جو 36 ہزار ایکڑ کی جاگیر عطا کی تھی اسے قبضے میں رکھتے ہوئے ملک کے اصل سرمایہ کاروں سے انڈسٹری چھیننے کی کوشش میں طرح تعلیم اور صنعت قومیا کر قوم کی بیڑی میں وٹے ڈال دیئے اور ڈبونے کا پورا بندوبست کر دیا۔

پھر تکبر میں آ کر براہ راست بم کو لات مار دی یعنی اپنے ہی پالنہار امریکہ کو احمقانہ ٹکر دے ماری مگر اللہ کی بے آواز لاٹھی اس کے سر پر پڑنے کے لئے حرکت میں آ چکی تھی اور تاریخ میں محفوظ ہے کہ جو نو جولائی 1977ء کو اس نے شاہی محلے کی عورتوں کی نتھ فورس کے ذریعے لاہور میں مارشل لاء لگا کر خواتین پر ظالمانہ تشدد کیا تھا ان کی آہیں اور سسکیاں اسے پاتال کی جانب لے گئیں۔

اس نے غیر محب وطن اقدامات اٹھاتے اٹھاتے جب دیکھا کہ اب بچت کے سارے دروازے بند ہوتے جارہے ہیں تو پھر اس نے کچھ کام خصوصاً قادیانیوں اور شراب پر پابندی والے ڈرامے عوام کو دھوکا دینے کے لئے اٹھائے۔

بھٹو نے آئین بنایا ضرور مگر چھ ترامیم بھی خود ہی کر کے آئین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ ایٹمی پروگرام والا قدم بھی اس نے امریکہ سے اپنی کھال بچانے کے لئے اٹھایا تھا مگر اس کی کھال پھر بھی اتار کر رکھ دی گئی۔ اور یہ وہی

بہادر "رہنماء تھا جو پھانسی کو اٹل سمجھ کر سمجھوتے کے لئے ضیاء سے بات کرنے کے لئے ترستا رہا" لیکن ضیاء اسے امریکی اشارے پر ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ بر اتو امریکہ نے بھی بہت کیا لیکن بھٹو خود بھی چوں چوں کا مربہ اور احمقوں کا شہنشاہ تھا۔

اگر لفافوں کے پاس حوالے موجود ہیں تو بتائیں تا کہ ہم بھی تاریخ کے اوراق پلٹ کر انہیں آئینہ دکھا سکیں

"ہم سب گدھ ہیں"

کالم میٹھا سچ 702 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 21 نومبر 2023ء

کسی بھائی نے گدھ کی مثال دی ہے کہ حرام کھاتا ہے تو کھاتا ہی چلا جاتا ہے۔ ہم نے یہ پوچھ کر شاید گستاخی کی ہو کہ بھیا حلال حرام کی تعریف بھی تو کرتے جائیں ورنہ ایسا لگے گا کہ ہماری نصیحتیں صرف دوسروں کے لئے ہیں۔

اگر حدود اللہ سے تجاوز کر کے ہونے والی کمائی حرام ہے تو پھر پوری دنیا کے مکمل انسانوں کی کمائی حلال نہیں کیونکہ اللہ کے نزدیک جھوٹ بول کر کمانا بھی حرام ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جھوٹوں پر لعنت بھیجی ہے۔ یعنی اگر ہم آجر یا باس سے بیماری شماری کا بہانہ کر کے بھی چند گھنٹوں کی رخصت لے کر کچھ اور کریں تو حرام ہماری کمائی میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح معالج کسی خاص اضافی کمائی کو سامنے رکھ کر کوئی غیر ضروری دوائی یا ٹیسٹ لکھے تو اس کا سارا رزق حرام اور حج عمرے بیکار۔ وعلی ہذا القیاس۔

دوم، کچھ کاروبار سرے سے ہی اللہ کے احکامات کی حکم عدولی والے ہیں۔ مثلاً زمین کی خرید و فروخت دین کے مطابق جائز نہیں کیونکہ اگر اس پر ہاؤسنگ سوسائٹیاں نہ اگتیں تو انسان اور

جانور کی خوراک اگتی اور جاندار رزق کی اس تنگی کا شکار نہ ہوتے جس کا اب ہو چکے ہیں۔ اسی طرح شراب کا کاروبار اور تنظیم سازی والی کمائیاں۔

سوم، جس کمائی میں سود، رشوت، حق تلفی، وعدہ خلافی اور شق القلبی شامل ہے وہ جائز نہیں۔ پاکستانی معاشرے کو سامنے رکھتے ہوئے چند مثالیں پولیس سروس، عدالتی نظام، بنکنگ، انشورنس، سول سروس، شوبز نیز دیگر حکومتی یا تجارتی لین دین وغیرہ کی دی جا سکتی ہیں۔

چہارم، حکومت چاہے کافر کی ہو لیکن اس کے قوانین کو توڑ آ کر کمائی کرنے والے کی ساری کمائی حرام ہے۔ اگر کسی خاص مقصد یا غلط کاغذات کی بنیاد پر مسجد بھی بنا دی گئی ہو تو تو وہاں نماز پڑھنے والوں کی نماز بھی ہمیشہ فسق رہے گی۔

پنجم، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز روزے کے احکامات بے حد دیر بعد دیئے پہلے اسلامی ریاست کی تعمیر کے خدوخال وضع کئے اور ان کی بنیادی جزویات کا حکم دیا۔ مثلاً نماز فرض ہوئی نبوت کے اعلان سے بھی کافی بعد میں لیکن ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، وعدہ خلافی، لڑائی بھڑائی، چغل خوری و بہتان، قطع تعلقی نیز بیشمار سماجی فتنوں سے رکنے کا حکم انھوں نے اپنی اوائل جوانی ہی سے واضح کر دیا تھا۔

یہ میں نے اشارتاً چند کاروباروں کا ذکر کیا ہے جو کہ ایک ٹریلر سمجھیں ورنہ پوری فلم دکھا دوں تو ہم سب کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے پچھلی امتوں نے دین کو ذاتی مسئلہ قرار دے کر حرام کو رواج دیا اور پھر ہماری امت نے بھی یہود و ہنود و نصاریٰ کی پیروی میں مکمل دین اسلام میں سے حصہ عبادات اور حصہ معاملات الگ الگ کر لئے ہوئے ہیں۔ اب ہم عمرے اور حج بھی کرتے ہیں اور من پسند فیصلے لینے کے لئے جج بھی کرتے ہیں۔

آج کوئی سوچتا بھی نہیں کہ اللہ کے حکم کے مطابق ضرورت سے زائد ہر چیز اس کی اپنی ہر گز نہیں بلکہ اللہ کی ہے جو فوراً اللہ کو واپس کر دینی چاہئے یعنی حقداروں کے حوالے کر دینی چاہئے مثلاً حقیقی ضرورت سے زائد زمین پلاٹ، گھر گھاٹ (کرایے پر اٹھانا)، پیسہ دھیلہ، کپڑا جوتا، گاڑی بائیک، کاروبار حتیٰ کہ نماز روزہ بھی۔ ضرورت سے زائد تو کھانا کھانا بھی ناجائز ہے مثلاً ذیابیطس، دل، جگر اور گردوں وغیرہ کی بیماریاں زود خوری کی وجہ سے ہیں۔ مجھے توڈر ہے کہ دل کے فیل ہو جانے پر اللہ ہم پر خودکشی کا مقدمہ یہ کہہ کر نہ بنادے کہ میں نے جسم کے اس سب سے مضبوط پٹھے کی طبعی عمر 120 سال بنائی تھی تم نے آرام طلبی اور زود خوری سے اس کو چالیس سال بعد ہی کیوں بند کرا دیا؟ تو کیا جواب بنے گا ہم سے؟

اتنا ہی کافی ہے یا حرام حلال بارے اپنی معلومات کی بنیاد پر پوری فلم چلاؤں؟

"ہم پر گورے کی حکومت"

کالم میٹھا سچ 703 از ڈاکٹر سلطان محمود

نومبر 2023ء xx دبئی،

کیا آپ جانتے ہیں کہ پاکستان 1947 سے 1955 تک ایک سیکولر ریاست تھی۔ 1956 کے آئین کے بعد اسلام اس کا ریاستی مذہب بن گیا۔

حضور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ 1957ء تک پاکستان براہ راست شہنشاہ برطانیہ کے جھنڈے تلے چلتا رہا اور سیاستدان ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ پھر اسے براہ راست مذہبی عناصر کے زیر تسلط لایا گیا۔

ہندوستان سے پاکستان علیحدگی کے لئے مذہب کی بنیاد فراہم کرنا باقاعدہ گورے کی تحقیق اور کاوش تھی جس پر اس کی سوچ میں تیزی روس کے 1915ء کے کمیونسٹ انقلاب اور سلطنت عثمانیہ توڑتے وقت آئی۔ کیونکہ ایشیا کی گوری حکمت عملی کے مطابق پاکستان کو بعد ازاں گورے نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا تھا جو آج کے دم تک وہ کر رہا ہے۔ پاکستان کی مدد سے سوویت ٹوٹ پھوٹ، افغانستان میں بیس برس تک امریکی موجودگی نیز چین کی گوادر میں مشکلات گورے کی حکمت عملی واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

امریکہ کی ایماء پر برطانوی گورے نے جتنے بھی ممالک آزاد کئے ان میں انہیں اپنے زیر اثر رکھنے کے لئے دو ماڈل استعمال کئے گئے۔ اول جاپانی ماڈل جہاں دفاعی کنٹرول گورے نے اپنے ہاتھ میں

رکھ کر انہیں حقیقی جمہوریت مہیا کر کے صنعتی و سائنسی ترقی کی جانب لگا دیا اور ایشیا میں اپنا مضبوط قلعہ کھڑا کر دیا۔ دوم پاکستانی ماڈل جہاں مصنوعی جمہوریت متعارف کرا کے کرپٹ عناصر سروں پر بٹھا دئے گئے جو آج تک گورے ہی کی پالیسی کی ترویج کر رہے ہیں۔

رہی بات سیکولرازم کی تو گورنس کا یہ طریقہ کثیر المذاہب اور کثیر الثقافت ممالک کی سالمیت قائم رکھنے کے لئے مجبوری ہے۔ پاکستان میں طریقہ حکومت کے خدوخال گورے نے بہت پہلے طے کر کے 1906ء میں مسلم لیگ بنوائی اور سر شفیع اور جناح صاحب جیسے مخالف اذہان کو ایک جگہ جمع کر دیا جہاں علامہ اقبال پہلے پہل سر شفیع کے کیمپ میں رہے لیکن پہلی جنگ عظیم کے نتائج کی بنیاد پر انہوں نے 1930ء میں جناح کیمپ جوائن کر لیا۔ علامہ اقبال، سر شفیع اور جناح اپنی سوچ میں بہت پہلے سے سیکولر تھے مگر گورے کی دی گئی لائن کے مطابق 14 نکات، گول میز کانفرنسز نیز قرارداد لاہور تک مذہب کی ٹوپی پہننے پر راضی ہو چکے تھے۔ اب اسی مذہبی سوچ کو پکا کرنے کے لئے فوج کو ایک قدم آگے لا کر 1949ء میں قرارداد مقاصد لائی گئی جس کے نتیجے میں پہلا آئین نافذ ہونا تھا ۔ مگر یہ بھی تاخیر کا شکار رہا۔ جس میں دیر کی وجہ قائد کی وفات اور نئی مملکت کی کمزور معاشی صورتحال تھی ورنہ گورے کی 1922ء میں سلطنت عثمانیہ کو توڑتے ہی پلاننگ کے مطابق پاکستان کو بنانا ہی مذہبی ریاست تھا اور یکسوئی سے گورے کے مقاصد کے لئے استعمال ہونے کے لئے فوج کا کردار طے شدہ تھا کیونکہ سیاستدان دنیا بھر میں طاغوت کے لئے چوں چوں کا مربہ ہی ثابت ہوئے ہیں۔

"پسی ہوئی غذائیں"

کالم میٹھا سچ 704 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 22 نومبر 2023ء

یہ بھارتی ریٹائرڈ آفیسر بہت کام کی ایک بات تیزی سے بتا گیا ہے جو عوام کے پلے نہیں پڑی ہو گی کہ تیز مشینی چکی چلنے سے ضروری غذائی اجزاء برباد ہو جاتے ہیں خصوصاً پروٹینز اور وٹامنز۔

سٹیل کے پاٹ دو وجوہات کی بنا پر غذا کو اسی فیصد تک برباد کرتے ہیں۔ اول انتہائی ہموار ہونے کے باعث نیز انتہائی تیز رفتاری سے چلنے کے باعث درجہ حرارت بہت بڑھ جاتا ہے جبکہ کہ پروٹینز اور وٹامنز (لحمیات اور حیاتین) 120 ڈگری فارن ہائٹ یا 49 ڈگری سنٹی گریڈ پر پہنچ کر ان دونوں کو جلا دیتے ہیں۔ سٹیل کے پاٹ چلنے سے درجہ حرارت 80 ڈگری سنٹی گریڈ یا 179 درجے فارن ہائٹ تک پہنچ سکتا ہے۔

مگر پتھر کے پاٹ کٹائی میں مکمل ہموار نہیں ہوتے اور درمیان میں خلارہ جاتا ہے نیز سٹیل کی طرح تیز بھی نہیں چل سکتے اس لئے غذائی اجزاء کو کم برباد کرتے ہیں۔

بالفاظ دیگر ہم پر اسسڈ فوڈز کی شکل میں بغیر غذائیت حاصل کئے پیٹ کا جہنم بھرتے جا رہے ہیں اسی لئے فاسٹ فوڈز میں نمک، چکنائی اور چینی کی بھاری مقدار شامل کر کے ذائقہ بڑھا کر پھوکی غذا پیش کی جاتی ہے جو کہ پھر ایڈکشن یا نشے کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ نیز استحالے کی بیماریاں

جنم دیتی ہیں۔ مثلاً ذیابیطس، بلڈ پریشر، جگر گردے اور دل کی (metabolic diseases) بیماریاں وغیرہ۔

"غدار بزرگ"

کالم میٹھا سچ 705 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 23 نومبر 2023ء

یہ بات عام لوگوں کے لئے ہی درست ہے۔ مگر جن کے بڑوں نے انگریز کے کتے نہلا کر اور اپنے بھائیوں کا خون بیچ کر زمینیں لیں ان کی آج ساتویں نسل بھی ہم پر حکمران ہے۔ میں نے خود بگٹی، جمالی، بھٹو، کھر اور نواب آف کالا باغ کے مہمان خانوں میں جا کر دیکھا ہے وہاں سات سات نسلوں کے پردادا لکڑ دادا کی تصویریں سجی ہیں۔

ایسے ہی سو سال بعد 2123ء میں لوگ ملک ریاض، زرداری، نواز شریف اور فضل الرحمان کے گھروں میں جا کر بھی دیکھ لیں گے کہ ان کے مہمان خانوں میں ہم پر قابض ساتویں نسل کے بزرگ، جو آج ہمارے سامنے ہیں، کی تصویریں ناصر فٹنگی ہوں گی بلکہ وہ چودہ نسلوں کے آباواجداد کے نام بھی زبانی یاد رکھے ہوئے ہوں گے۔ اس سلسلے میں رکاوٹ صرف باشعور عوام ہی ڈال سکتی ہے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ دو سو برس سے لے کر آج تک کے لٹیروں کو بھی اپنے دادا سے اوپر کی پیڑھی کا نام یاد نہیں ہو گا۔

"مافیاز کے کارٹل"

کالم میٹھا سچ 706 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 25 نومبر 2023ء

جھوٹ بولنے والے پر بھی اللہ نے لعنت برسائی ہے لیکن وہ بھی پوری آب و تاب سے رائج ہے۔ ایک محقق نے اسلام آباد کانفرنس میں بتایا تھا کہ ہمارا پیارا ملک دنیا بھر میں جھوٹ لکھنے اور سننے میں پہلے نمبر پر آ گیا تھا شاید 2015ء میں۔ ہمارے بعد مصر اور نائیجیریا آئے تھے دو سو ممالک میں۔

تصدیقی نشانیاں عیاں ہیں۔ ہم انحینز ڈ جمہوریت کو اصلی جمہوریت کہتے ہیں۔ حکومت کے اعداد و شمار جو سرکاری دستخطوں سے ہم دوسرے ممالک کو مہیا کرتے ہیں وہ عموماً غلط ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہماری مردم شماری بھی کئی بار مشکوک نکلی ہے۔ ہمیں تحریک پاکستان کا غلط نصاب تعلیمی اداروں میں پڑھایا جاتا ہے نیز ستم بالائے ستم ہم نے اقوام متحدہ تک کو اپنا لٹریسی ریٹ بڑھا کر بتایا ہوا ہے۔

ہماری یونیورسٹی سطح کی ریسرچ کئی بار فیک نکلی ہے اور بے شمار نقل شدہ مقالے عدالتوں نے منسوخ کئے ہیں۔ خود عدالتوں کا معیار دہرا ہے بلکہ تہرا ہے جس میں ہم عالمی سطح میں 140 میں سے 130 ویں نمبر پوزیشن لئے بیٹھے ہیں۔ صحافت مکمل طور پر لفافے اور فوجی گھوری کے زیر اثر ہے۔ پارلیمنٹ میں نوے فیصد اراکین کے اوپر کرپشن اور ملک دشمنی کے کیسز درج ہیں جس کی بنیاد پر انہیں آسانی سے اصطبل کا گھوڑا بنا دیا جاتا ہے۔

کاروباری طبقہ تو رشوت، ٹیکس چوری اور انڈر انوائسنگ کے سلسلے میں روز اول سے بدنام تھا لیکن اس نے کمال چالاکی سے بیشمار قوانین اپنے مفاد کے لئے پارلیمنٹ سے منظور کرا رکھے ہیں۔

"درخواست برائے دافع البلاء و دافع الشکوک وصفائی القلوب"

کالم میٹھا سچ 707 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 26 نومبر 2023ء

درخواست برائے دافع البلاء و دافع الشکوک وصفائی القلوب

بخدمت جنابہ محترمہ پرنسپل صاحبہ۔ نیو پرائیویٹ فیملی سکول۔ میڈیکل سوسائٹی، کینال روڈ۔ لاہور

عرض ہے کہ بندہ ناچیز کل انجانے میں آپ سے ایک بدتمیزی کر بیٹھا تھا جس پر کل ہی سے کان پکڑ کر بیٹھکیں نکال رہا ہے۔

چونکہ اس احمق کو ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا کہ سامنے ایک آپ جیسی پری زاد مگر انتہائی غصہ اور جناتی غضب والی اور سخت فیصلے کرنے والی میڈم بیٹھی ہے اس لئے دل بہت لرزاں اور بوم بوم کرے ہے اسکا۔

آپ سے نہایت مودبانہ التجا ہے کہ اگر آپ کا ذاتی اتنا نقصان کر جانے والی چورنی کو آپ معاف کر سکتی ہیں تو درخواست گزار تو بیچارہ اس سے زیادہ رحم کھائے جانے کے قابل ہوں۔ کیونکہ اس کی ایک سابقہ دوست کی کل کی اسٹیٹمنٹ کے مطابق یہ درخواست گزار بوڑھا ہو چکا ہے اور اسے اس کی بیوی نے گھر سے نکال دیا ہے اور سنا ہے کہ طلاق کا مطالبہ بھی کر رہی ہے۔

پرنسپل صاحبہ۔ اگر آپ ذرا بھی رحمدل ہوتیں تو سب سے پہلے بے وقوف لوگوں کو معاف کر دیا کرتیں نیز راقم جیسے مظلوم، بے سہارا اور بے گھر احمقوں کو تو اپنے دل نہ سہی لیکن قریب ہی کسی ایسی جگہ پناہ دے دیتیں جہاں رہ کر وہ ناصر فروزانہ آپ کے درشن کے پانی سے وضو کر کے خلوص کی نماز ادا کر لیا کرتے بلکہ اسے تین وقت کا کھانا بھی مل جایا کرتا۔ لیکن جج صاحبہ اس نے اپنی کچھار میں کچھ جائیداد چھپا رکھی ہے لہٰذا کھانا بالکل بھی مفت نہ دینا۔

محترمہ حور ارضی صاحبہ آپ چونکہ دنیا کی سب سے پیاری میڈم ہونے کے ساتھ ساتھ رحمدل اور یتیموں پر ترس بھی کھانے والی ہیں لہٰذا اس درخواست کو منظور و مقبول فرما کر سب سے پہلے تو اس مفاد پرست عورت ثناء کی ڈنڈوں سے مرمت فرمائیں اور پھر اسے حوالہ پولیس کریں۔ مگر ساتھ کھانا بھی پہنچاتی رہیں کیونکہ اس نے راقم پر ایک مکڑے کو ترجیح دے کر کچھ رقم بھی بٹور رکھی ہے۔

امید ہے درخواست گزار کی بھرپور خوشامد اور ٹھرک سے بھری درخواست سے آپ کا دل پسیج گیا ہو گا لہٰذا اس کی مندرجہ بالا شکایات کا ازالہ فرمائیں گی اور پانچ دسمبر کو اس کے پاس جا کر کان کھینچیں گی اور ساری سابقہ و آئندہ کی بدتمیزیوں سے درگزر فرما کر اسے سرپرائز دیں گی۔

العارض، سلطان محمود

المعروف جن جیپھا

المنخول، دبئی، متحدہ عرب امارات

نومبر 2023ء 25

"نہ کہیں مزار ہوتا"

کالم میٹھا سچ 708 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 26 نومبر 2023ء

پاکستان میں عزیز و اقارب کی جانب سے مریضوں کی خبر گیری اور تعاون کے بارے میں بات ہو رہی تھی، جس پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ نومبر کی سرد رات مجھے فون موصول ہوا کہ آپ کے کوئی عزیز نیا گرا جنرل ہسپتال میں ہیں، فوراً پہنچیں، میں نے گھڑی دیکھی تو ساڑھے بارہ کا وقت ہو گا، فوراً جوتے پہنے، جیکٹ چڑھائی اور اندھا دھند ڈرائیو کرتے ہوئے ہسپتال پہنچا، استقبالیہ پر جیسے ہی نام بتایا کہ یہاں سے فون آیا تھا، کون ہے اور کیا مسئلہ ہے۔ انہوں نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا، میں نے دل ہی دل میں دعا شروع کر دی۔ دو منٹ بعد کیا دیکھتا ہوں کہ دو پولیس آفیسر ایک ڈاکٹر کے ساتھ آئے، مجھ سے شناخت طلب کی جو کہ معمول کی بات ہے، مجھے آئی سی یو لے گئے اور پردہ ہٹا کر ایک مریض دکھایا جسے آکسیجن لگی ہوئی تھی، یہ کوئی گورا تھا، چہرے پر ماسک ہونے کی وجہ سے پہچانا نہیں گیا، میں نے کہا ماسک ہٹاؤ تو بتا سکتا ہوں، ڈاکٹر نے کہا کہ اس کی حالت نازک ہے، بس اس کا نام پتہ معلوم نہیں، میں نے پولیس کو بتایا کہ میں اسے نہیں جانتا نہ یہ میرا عزیز ہے، ایک آفیسر نے مجھے میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک پرچی دکھائی جس پر میرا نام اور فون نمبر درج تھا، اوہ! تب مجھے یاد آیا کہ جون جولائی کی سخت گرمی میں یہ شخص ایک فٹ پاتھ پر درخت سے ٹیک لگائے تشویش

ناک حالت میں بیٹھا تھا۔ میں نے گاڑی روکی اور اس سے پوچھا کہ اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو ایمبولینس کال کروں؟ اس نے کہا پانی دے دو، میں سمجھ گیا کہ شدید گرمی سے یہ حالت ہو گئی ہے میں نے کار سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی، پانی پی کر وہ سنبھلا تو میں نے پوچھا ہسپتال چھوڑ آؤں؟ ہو؟ میں ڈراپ کر دیتا ہوں، بولا اگر تکلیف نہ ہو تو چھوڑ آؤ۔ یہ بندہ بہت موٹا تھا، دوسرے میں نے بولا No Thank you, I will be fine, پوچھا کہاں رہتے

راہگیروں کی مدد سے کھینچ تان کر اسے اپنی وین میں بٹھایا، راستے میں فوری انرجی کے لئے ایک کٹ کیٹ چاکلیٹ لے دی۔ اس نے بتایا میں اکیلا رہتا ہوں، میرے بچوں نے کبھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ کہاں ہو، کیسے ہو، ایک بہن بھی ہے، کوئی نہیں آتا۔ لیکن میرے مرنے کے بعد اس گھر پر قبضے کے لئے سب لڑیں گے۔ میں نے پوچھا اگر تم مر گئے تو تمہاری تدفین کے اخراجات کون اٹھائے گا؟ بولا، کوئی نہیں، میں نے اپنی باڈی ڈونیٹ کر دی ہے، قارئین کو بتاتا چلوں کہ لوگ ایسی وصیت حکومت کے سپرد کر دیتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے جسمانی اعضا جیسے آنکھیں، دل، گردے وغیرہ دوسروں کی جان بچانے کے لئے لگا دئے جائیں، اور باقی بچے ہوئے جسم کو میڈیکل ریسرچ یا تعلیم کے لئے چیر پھاڑ کر لیں جو بچتا ہے اسے جلا دیتے ہیں، میں سنتا رہا، اس کا گھر زیادہ دور نہیں تھا، وہاں پہنچ کر میں نے ایک پرچی پر اپنا نام اور فون نمبر لکھ کر اسے دیا کہ اگر ضرورت پڑے تو بلا جھجک مجھے کال کر لینا کیونکہ ہم سب کا خالق ایک ہی ہے اس طرح ہم سب آپس میں بھائی ہیں۔ اس کے گھر پہنچ کر وہاں راہگیروں کی مدد سے اسے گھر کے اندر پہنچایا، اس نے اپنا نام بتایا جو میں نے پولیس کو بتا دیا۔ پولیس نے اس کا ایڈریس پوچھا میں نے کہا مجھے سٹریٹ کا پتہ ہے لیکن گھر

کا نمبر یاد نہیں، قصہ مختصر، میں نے پولیس کے ساتھ جا کر مریض کے گھر کی نشاندہی کی، میں نے راستے میں ان سے پوچھا کہ اس شخص کو ہسپتال کس نے پہنچایا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ یہ شائد کچھ کھانے کے لئے کسی گراسری سٹور کے لئے نکلا ہو گا اور راستے میں گر گیا۔ کسی نے بے ہوش پڑا دیکھ کر 911 کو کال کیا اور پولیس ایمبولینس کے ساتھ پہنچ گئی۔ اس کی جیب میں میری پرچی اور چار ڈالر تھے کوئی شناخت نہ ملنے کی وجہ سے مجھے بلایا گیا۔ انہوں نے مجھے واپس ہسپتال چھوڑا کہ میں اپنی گاڑی لے سکوں، میں نے ہسپتال والوں سے کہا کہ پولیس اس کے ورثا تک تو پہنچ ہی جائے گی لیکن کسی ایمرجنسی کی صورت میں مجھے کال ضرور کر دینا ورنہ میں کل آ کر اسے ملوں گا۔ رات تو ٹھکانے لگ ہی گئی اور فجر کے بعد میں سو گیا، کوئی نو بجے ہسپتال سے کال آئی،

We are sorry to inform you that your friend has passed away and his body is transferred

میں آج تک سوچ رہا ہوں کہ اپنے تمام جسمانی اعضا عطیہ کر کے دوسروں کی زندگیاں بچانے والے تو اللہ تعالی کی نظر میں جنتی ہوں گے کیونکہ جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانیت کو بچا لیا اور قبر نہ بھی ہو تو کیا، اگر کسی نے فاتحہ کے لئے بھی نہیں آنا تو بہتر تھا

نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ڈاکٹر

بہت آنسوؤں کے ساتھ یہ پوسٹ پڑھنے کے بعد میں نے بھی اپنی ڈیڈ باڈی ڈونیٹ کرنے کی نیت کر لی ہے

طارق

جزاک اللہ اندازہ کریں اگر ہم مر کر مستحق مریضوں کو نئی زندگی دے جائیں تو اللہ تعالیٰ جتنا ثواب دے گا۔ میں نے بھی پوری باڈی ڈونیٹ کرنے کا سوچا تھا پھر خیال آیا کہ اعضا ڈونیٹ کرنا ہی کافی ہے کیونکہ آنکھیں، دل جگر اور گردے عام طور پر پیوند کاری میں کام آتے ہیں باقی جسم کفن اور نماز جنازہ کے بعد دفنا دیا جائے کہ شاید کبھی کوئی دعا یا فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھانے آجائے، ویسے امید تو اس کی بھی نہیں لیکن شاید

ڈاکٹر

طارق نسیم

سر دعا کے لئے ضروری تو نہیں کہ کوئی قبر تک ہی آئے یا ہاتھ ہی اٹھائے۔ اس لئے اگر ہمارا مردہ جسم کسی میڈیکل ریسرچ میں کام آجائے تو ہم علم و تحقیق کے میدان میں مزید انسانیت کے کام آ سکتے ہیں۔ اگر رہے سہے کٹے پھٹے جسم کو جلا بھی دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اور بقول غالب:

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا۔۔۔

نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا۔۔۔!!

یاور

دنیا کی بے ثباتی۔ یہ اس سارے معاشرے کی کہانی ہے جس میں رشتوں کی وقعت ختم ہو گئی اور وہ والدین جو اولاد کو پیدا ہونے سے جوان ہونے تک پروں کے نیچے چھپائے رکھتے ہیں اور اولاد جوان ہوتے ہی اپنی دنیا میں مگن ہو جاتی ہے والدین لاوارث مر کھپ جاتے ہیں لیکن المیہ یہ ہے مشرقی معاشرے میں بھی یہ سب کچھ آ گیا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔

طارق

جی سر اب تو مشرقی ممالک میں بھی یہی چلن ہے بلکہ والد کی وفات سے پہلے ہی جائیداد پر لڑنا شروع کر دیتے ہیں

اشرف

چلیں زندہ رہے گا نا۔۔ آنکھیں کسی کے چہرے پر تو گردے جگر بھی کسی کو زندگی بخش دیں گے

صبیحہ

انسانیت اس کو ہی کہتے ہیں بہت دلگیر واقعہ جن اپنوں کے لئے انسان محنت اور جدوجہد کرتا ہے جب ان کی ضرورت ہو اس کو تو وہ موجود نہ ہوں راہگیر انکی مدد کریں یہ گوروں کا کلچر مسلم دنیا میں

بھی دیکھا جاسکتا ہے جہاں بوڑھے کمپرسی کے حالت میں مر جاتے ہیں اور اس کے اپنے غافل ہوتے ہیں

طارق

رسوائی سے بہتر ہے کسی نابینا کو روشنی کسی بد دل کو دھڑکن اور کسی کر جگر دے جائیں۔

"دسمبری شاعر ٹرٹرانے لگے"

کالم میٹھا سچ 709 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، یکم دسمبر، 2023ء

شاعری سے عبرت پکڑنے والی ایک ریٹائرڈ شاعرہ فرماتی ہیں کہ "دسمبر مبارک شعراء کرام عاشقوں کے ماتمی جلوس کو محبوب کی گلیوں میں پوراماہ گھسیٹنے اور ذلیل وخوار کرنے کے بعد 31 دسمبر کو بخیر وعافیت منزل مقصود تک پہنچائیں گے". ہمیں چونکہ سمجھ نہیں آئی کہ ذلیل وخوار ہو کر بھی کوئی بخیر وعافیت اور عزت دار کیسے رہ سکتا ہے؟ اس لئے "تائب شاعرہ" کو سوال دے مارا کہ کہیں ناکام عاشق سے آپ کی مراد دسمبری شاعر تو نہیں کہ جو شوہدے حسب توفیق ذلتوں اور رسوائیوں کو سمیٹ کر بھی معاشرے کے سامنے شرمندہ ہونے کی بجائے "شاعر" بن کر نمودار ہو جاتے ہیں اور مستزاد یہ کہ دسمبری شاعروں کو مزید ذلیل کرنے کے لئے اداس دسمبر بھی ان پر چڑھ دوڑتا ہے۔

جو بچارے صبح وشام گناہ آلود سوچوں کے ساتھ لگے رہتے ہیں اپنی شاعری بھگارنے۔۔۔

"کیا ہر تخلیق کا خالق بھی ضروری ہے؟"

کالم میٹھا سچ 710 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 17 دسمبر 2023ء

سوشل میڈیا پر ہمارے کسی گروپ میں ایک دوست عقلی دلائل کی بنیاد پر ایک سوال اٹھاتے ہیں اور اس کا جواب بغیر کسی مذہبی آمیزش کے خالص عقلی دلیل پر ہی چاہتے ہیں کہ جب تمام اشیاء کو ایک خالق نے پیدا کیا تو اس خالق کو کس نے جنم دیا؟ اسکا خود کا وجود کہاں سے آیا؟ کیا وہ خود بخود پیدا ہوا یا اسکا بھی کوئی خالق رہا ہے؟ کیا ایک خالق کو ماننا اس کو رد کرنے کے مترادف نہیں ہے؟

مذہبی سوچ رکھنے والے اس سوال ہی کو کفر کہہ کر ٹال دیں گے لیکن ہزاروں برسوں سے مانی جانے والی آسمانی کتابوں کی موجودہ تشریح بزعم خود کافی متنازعہ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اول، مرد کی پسلی یا ٹیڑھی پسلی سے عورت بر آمد ہونے والا نظریہ کسی بھی آسمانی کتاب میں موجود نہیں۔ اسے صرف عورت کو مرد سے کمتر ثابت کرنے کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔

دوم، آسمانی کتب میں ایک بنے بنائے آدم کا زمین پر اترنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ بنی آدم کا ذکر ہی آیا ہے یعنی بیشمار انسان۔ مذہبی کتب میں ان میں سے ایک چنیدہ شخص آدم تھا جسے تینوں بڑے مذاہب بڑے ابا مانتے ہیں۔

سوم، اگر آدم پہلے ہی سے جنت میں تھے تو انہیں لاکھوں سالوں کے دنیاوی بکھیڑوں میں ڈال کر دوبارہ جنت کا راستہ کیوں دکھایا گیا ہے؟ جبکہ اسی انسان پر کچھ جبلتیں حاوی ہو گئی ہوں مثلاً بھوک، تحفظ، جنسیت، اکٹھ، لڑائی بھڑائی، تخلیقی صلاحیت وغیرہ۔

چہارم، خمار گندم اگر جنت سے نکلنے کا باعث تھا تو دنیا میں اسے کیوں مستقل غذا ٹھہرایا گیا؟ اور پھر اس کے متضاد یہ نظریہ کیوں بنایا گیا کہ دنیا میں اسی خمار گندم میں رہ کر انسان جنت میں داخل ہو سکتا ہے؟

پنجم، شیطان کو اگر آگ سے بنایا گیا تھا تو وہ نور سے بنے فرشتوں کا سردار کیسے بن گیا؟ اور رب کی حکم عدولی پر اسے دنیا میں بھیج کر دوبارہ رب کے مقابل کیوں کر دیا گیا؟

اب آیئے چند سائنسی تحقیقات کی جانب۔

دیکھ لیں تو کافی سارے مذہبی نظریات باطل ہو جائیں گے۔ یہ انسانی دماغ Lucy اگر ہالی وڈ کی فلم کے موجودہ گیارہ فیصد استعمال سے سو فیصد دماغی استعمال پر مبنی سائنسی فکشن ہے جس میں گیارہ فیصد دماغ استعمال کر کے اگر انسان تمام موجودہ ترقی کر سکتا ہے تو سو فیصد استعمال سے اسے خدائی طاقت مل سکتی ہے۔

مذاہبِ کی تاریخ ساڑھے چھ ہزار سال سے زیادہ نہیں جبکہ زمین پر انسانی موجودگی کے علم کے مطابق لاکھوں سالوں پر محیط ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ انسانی fossilization کارکردگی کی تاریخ کا علم چار ہزار سال قبل مسیح سے پیچھے نہیں جاتا۔ پھر آدم بارے نظریات محض

ڈیڑھ سے چار ہزار سال پہلے آخری آسمانی کتاب قرآن یا اس سے قبل زبور و انجیل کے ذریعے وجود میں آئے۔ اور پھر اسی آخری کتاب کی تشریح میں فرقہ ورانہ علماء کا دخل ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں جو ہمیشہ سیاست کی بنیاد پر جھگڑتے نظر آتے ہیں۔ ان سارے پیچیدہ اور الجھن سے بھرپور مذہبی عوامل کے ساتھ ہی ساتھ سائنس اپنے عروج کی جانب مسلسل سفر کر رہی ہے جس کی رفتار اب بہت تیز ہو چکی ہے مگر اس کی اپنی عمر بھی زیادہ نہیں لہٰذا یہی وجہ تو نہیں کہ دنیا بھر کے انسانوں کا مذاہب پر یقین متزلزل ہو رہا ہے اور مذاہب معدوم ہوتے چلے جا رہے ہیں؟

:بقول علامہ اقبال

Hell and heaven are not locations, these are feelings.

:بقول عبدالحمید عدم

تخلیق کائنات کے دلچسپ جرم پر۔۔۔

!!ہنستا تو ہو گا اب بھی یزداں کبھی کبھی۔۔۔

کروڑوں دنیاوی عوامل میں سے ایک مثلاً بارش برسنے کو بھی کل تک اللہ کی مرضی سمجھا جاتا تھا لیکن آج بارش خود برسائی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جوں جوں دنیاوی عوامل کی توجیہات کی ڈور الجھی رہتی ہے انسان اپنی کاہلی سے اس پر سوچنے کی بجائے اللہ کے وجود پر پھینک دیتا ہے لیکن اس ڈور کے سلجھتے ہی اسے اللہ سے ہٹا کر اس عمل کی وجوہ پر ڈال دیتا ہے۔ اگر دنیا ایسے ہی چلتی رہی تو کیا ایک روز خدا کا تصور معدوم نہیں ہو جائے گا؟

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

آئیں اپنے دماغ کا استعمال صرف ایک نکتے پر غور کر کے گیارہ فیصد سے آگے بڑھائیں کہ کیا ہر تخلیق کے لئے خالق کا ہونا ضروری ہے؟

1. "Social Animal"

Column MeethaSach 711.

Dubai, 7Dec23

This is the reason that human beings are called as social anmals.

Because, we need prayers from others to strengthen our courage in fulfilling multitasking. We need applaud from others in celebration of our success. We need to be dignified in other's eyes. We want love from others. We need a shoulder of others to shed tears in the griefs and miserable moments. We desire help in weakness and devotion in case of prosperity. Above all, we need touch, a touch of kind parents, a touch of caring family, a touch of romantic spouse and a touch of innocents' hands of a small child.

All these feelings are less susceptible in other species so be ready to extend a helping hand to all fellow human beings, even to other species as well.

"ڈبلیو ڈبلیو ڈبلیو، وٹ وومن وانٹ"

کالم میٹھا سچ 712 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 21 دسمبر 2023ء

پنجابی محاورہ ہے کہ واجیاں دے واز بھارے تی کوونیاں نے پنڈ گالے یعنی اونچی آواز والے سب کو نظر آجاتے ہیں لیکن میسنے اندر ہی اندر سے جڑیں کاٹ جاتے ہیں۔

ایک تجربہ کار فلاسفر کہتے ہیں کہ پوری دنیا اللہ کے بعد عورت کے قابو میں ہے۔ جو بھی گھر جنت یا جہنم ہے اس میں ستر اسی فیصد عورت کا ہاتھ ہے۔

عورت جتنی بھی چپ ہے اتنی ہی خطرناک ہے۔ خاوند کو تو وہ مکمل طور پر چوس کر پھانک کر دیتی ہے جس پر بعد میں ڈسٹ بن بھی ہنستا ہے۔ بشرطیکہ مرد خاوند ہو اور بیٹا، بھائی، ابو یا بہنوئی نہ ہو۔ کیونکہ ان میں سے چار مرد عرش کے کنگرے، عظیم ہیروز، عقل کل اور بے مثال ہوتے ہیں اور اس ساری فلم کا واحد ولن خاوند ہے۔

عورت کا سب سے محفوظ قلعہ اس کی ماں یا چلتر بہن ہوتی ہے مگر سب سے بڑی دشمن وہیلی ساس اور کالی زبان نند۔ علاوہ ازیں عورت کی نظر میں دنیا کی باقی تمام عورتیں بدکردار ہوتی ہیں۔

عورت کی نماز ایک ایسی فلم ہے جس میں چغلی اور بہتان کبھی داخل نہیں ہوتے مگر صرف ادائیگی کے دوران۔ ہاں قرآن پڑھتے اور تسبیح پھیرتے ضرور داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ اسے عربی زبان کی

سمجھ بوجھ نہیں ہوتی اور رٹا رٹایا وظیفہ ادا کرتے تو حسب توفیق وہ ٹی وی پر ڈرامہ بھی دیکھ سکتی ہے۔
عورت جب گٹکوں پر آیت کریمہ پڑھتی ہے تو اس کی نظر بہو کی جانب ہوتی ہے۔

ہاں عورت کو ایک ایسا مرد بھی بہت پسند ہے جسے وہ خاوند سے ایک بار اور اللہ کو پانچ بار پکارنے سے زیادہ پکارتی ہے اور وہ ہے اس کا ڈرائیور۔

"جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے"

کالم میٹھا سچ 713 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 24 دسمبر 2023ء

:کرونی ڈاکٹر ارشد علی

آپ رہنمائی کریں کہ کردار کو کس طرع بہتر کر سکتے ھیں اور قوم کی بہتری کے لئے کون سے عمل کرنے کیتر جیحاًضرورت ہے۔

:کرونی ڈاکٹر لطیف میاں

ہمیشہ کوشش ہو کہ اپنی زندگی کو تعلیماتِ اِسلام کے مطابق بسر کریں۔ دوسروں کو درست کرنے کی بجائے خود کو درست کریں۔

شکریہ میں جی۔ میں تو چیف کے جواب کا انتظار کر رھا ھوں شائد وہ کوئی سبجیکٹو راہنمائی کر سکیں۔ اپ نے تو اوبجیکٹو بتایا ہے۔

:ڈاکٹر سلطان محمود

معذرت بھیا جی۔ میری تجاویز آوٹ آف دی باکس ہوتی ہیں گھسی پٹی اور سنی سنائی نہیں اس لئے اکثریت کو ہضم نہ ہو پائیں گی تبھی چپ ہوں۔

:کرونی ڈاکٹر ارشد علی

اس کا مطلب تو یہ ھوا کہ 24 کتابیں جو آپ نے لکھیں ھیں وہ سنی سنائی نہیں بلکہ آپ کے ذہن کی اختراع ھیں۔ اس طرح تو ادب کا نوبل نہ سہی پاکستان سے سول اواڈ ستارہ امتیاز تو ملنا چاہیے۔ اگر ان کتابوں میں کوئی سائنس کی کتاب ھے تو آپ نے تو کہیں ریسرچ کی ہو گی سائنسی مقالہ لکھا ھو گا۔

:ڈاکٹر سلطان محمود

ان 24 میں سے 8 کتب تو ایک لحاظ سے سائنسی ہی ہیں کیونکہ ان کا تعلق میری 25 سالہ غذائی پریکٹس کے دوران جمع ہو جانے والے کلینیکل نیوٹریشن کے ان کیسز سے ہے جو روزمرہ مریضوں کو اپنی استحالی بیماریوں سے نپٹنے کے لئے درپیش رہے اور میں یورپ، امریکہ اور ایشیا کے اعلیٰ ترین غذائی سائنس میں ریسرچ سے استفادہ کر کے انہیں حل کرتا رہا۔

یہ کتب میرے ذہن کی اختراع ہر گز نہیں کیونکہ ان کی مضبوط بنیاد عالمی لٹریچر سے تعمیر کی گئی۔

رہی سول ایوارڈ کی بات تو پاکستان میں تقریباً سو فیصد سول ایوارڈ خریدے جاتے ہیں ان ایوارڈز کو حاصل کرنے کی مجھے تمنا تو تھی لیکن خریدنے کی ہمت نہیں تھی۔ ستارہ امتیاز پر پانچ سے دس لاکھ کا خرچہ اٹھتا تھا جو کرونیز جیسے دیگر 12 دوستوں سے اگر ہدیتا" مل جاتے تو سبھی کی عزت میں اضافہ ہوتا۔ اگر میرے طلعت پاشا جتنے ذرائع آمدن ہوتے یا کچھ برادری کا اثر ورسوخ اور سپورٹ ہوتی تو شاید میں نا صرف ایوارڈز جیت لیتا بلکہ دو چار یونیورسٹیوں کا وی سی بھی بن جاتا۔ لیکن میں تنگئ

داماں کے باوجود الحمدللہ تین بین الاقوامی اور چھ عدد قومی سطح کے ایوارڈز سمیٹنے میں پھر بھی کامیاب رہا جو حکومتی نہیں ہیں کہ پیسے سے خریدے جاتے بلکہ ادارہ جاتی تھے جہاں میرٹ پھر بھی کہیں نہ کہیں موجود رہتا ہے۔

یونہی چراغ لالہ روشن نہیں ہوا۔۔۔

جلتی رہی ہے شبنم شاداب رات بھر۔۔۔

Crony Dr Arshad Ali Ch: One of my uncle got civil award in 90s, but I know he did not pay any money. If now it is sold , you had very good relation with then Health minister, why she asked you pay money. That means your leader government was also taking decisions not on merit but for money. So sad for you. You have told me this 12 lakh was nothing for me before scam with me. I could have donated you to get name for cronies

Dr Sultan Mahmood: I love your sincerety for cronies but hate the concocted thoughts about my professional endeavors.

Still I've good non-political but pro-professional relations with Dr Yasmin Rashid and honest to God I never extracted them for my personal benefits because my leader hate it.

You see me with the old broken opaque glasses of graduation times and your knowledge ends there. Later you believed on the hearsay just like my opponents, so still unaware of the real facts behind my success. Or MAY BE you apply your personal tactics on me because you don't know how to rise without crutches.

"بد کردار کا انتخاب"

کالم میٹھا سچ 714 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 31 دسمبر 2023ء

میں 1992ء میں یورپ سے ڈاکٹریٹ کر کے پاکستان واپس آیا تو جونہی اپنا تازہ تجربہ دہرایا کہ کرپٹ کو ووٹ دینے سے بہتر ہے کہ الیکشن کا حصہ ہی نہ بنو تو میرے سبھی کزنز اور بزرگوں نے میری خوب کلاس لی اور رٹا رٹایا جملہ دہرایا کہ ووٹ قوم کی امانت ہے۔ پھر ان سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی چناؤ میں نواز شریف باہر، کسی میں بینظیر باہر تو اب عمران خان باہر۔ اب سبھی کزنز بے دلی سے ووٹ ڈالنے جاتے تو ہیں مگر مجھ سے نظریں بچا کر زیر لب یہی دھراتے ہیں کہ کیا فائدہ ووٹ ڈالنے کا کہ جب چناؤ کا بہانہ کر کے لانے سلیکٹڈ ہی ہیں؟

آج اکتیس سال بعد میرے پڑوسی محمد سلیمان صدیق لکھتے ہیں کہ "بزرگو ہمارے لئے اور اس ملک کے لئے کچھ سوچ لو"۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہم جب اپنے والدین کو اپنے مستقبل کے حوالے سے پریشان دیکھتے ہیں تو ہم پوچھتے ہے کہ آپ ہمارے لئے کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ تو ہمیں جواب ملتا ہے کہ اس ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہو چکی ہے اور مہنگائی اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ ہم ہر وقت پریشانی کے عالم میں رہتے ہیں۔ اب اس مہنگائی کا مقابلہ کریں یا آپ کو پڑھائیں؟ اس وجہ سے ہم ہر وقت پریشان رہتے ہیں۔

پھر بچے سوال کرتے ہیں کہ اس ملک کا اور ہمارا کیا مستقبل ہو گا تو ہم جواب دیتے ہیں کہ اس ملک کو ہمارے رہنماؤں نے اور اس ملک کے اداروں نے تباہ کر دیا ہے۔ بچوں نے پھر سوال کیا کیا حکمرانوں کو اپنے بچوں کی فکر نہیں؟ ہم نے دکھ سے جواب دیا کہ میرے بچو ان کے بچے اس ملک میں نہیں رہتے وہ دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں۔ بس ان کے والدین صرف اس ملک میں سیاست اور نوکریاں کرتے ہیں اور لوٹ مار کر کے وہاں چلے جاتے ہیں۔ جہاں ان کے بچے اور کرپشن کی دولت موجود ہے۔

بچوں نے جب ہمارا شکست خوردہ چہرہ دیکھ کر یہ بات سنی تو وہ بھی پریشان ہو گئے اور بولے کہ اب ہمارا کیا بنے گا؟ والد صاحب نے کہا بچو آپ کیوں پریشان ہوتے ہو میں موجود ہوں۔ بچوں نے ہم سے پوچھا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی موجودگی میں تو ہوا تھا تو آپ نے کیا کر لیا تھا؟

اب میں پریشان ہوں کہ میں بچوں کو اس بات کا کیا جواب دوں۔ میری خاموشی میری شکست کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ مگر اب میں مزید چپ رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنے بچوں کو سچ بتا ہی دوں کہ بیٹا ہم لوگ ہی آپ کے مجرم ہیں۔ اگر ہم نے ان بدکردار لوگوں کا راستہ روکا ہوتا تو آج اس ملک کے ایسے حالات نہیں ہونے تھے۔

بچوں نے حوصلے کی خاطر مشورہ دیا کہ چلیں اب ہی ان لوگوں کا راستہ روک لیں تو میں نے اپنے بچوں کے ساتھ وہی اکتیس سال پرانا وعدہ کیا کہ میں آج کے بعد کسی بدکردار بندے کو چناؤ میں ووٹ نہیں دوں گا اور نہ ہی کسی بدکردار بندے کا آلہ کار بنوں گا۔

اس کے بعد بچوں کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔

"آتش بازی"

کالم میٹھا سچ 715 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جنوری 2023ء

Saadia

Fireworks should not be part of our celebrations for several important reasons. Firstly, they contribute to air pollution by releasing harmful chemicals and particulate matter into the atmosphere. This can have detrimental effects on our health and the environment. Secondly, fireworks cause significant noise pollution, which can disturb not only humans but also animals, including pets and wildlife. Lastly, fireworks pose a significant safety risk, with the potential for accidents, injuries, and fires. By forgoing fireworks, we can prioritize the well-being of our planet, our communities, and ourselves, creating a more sustainable and enjoyable celebration for all.

DSM

Heavy entertainment cost is also an socio-economic factors affecting the society.

"چالیس لاکھ کا تجربہ برائے فروخت"

کالم میٹھا سچ 716 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جنوری 2023ء

ایک شخص کنوئیں کے کنارے آواز لگا رہا تھا تیرہ، تیرہ تیرہ۔ قریب گزرتے مسافر نے پوچھا کہ کیا مطلب۔ اس نے کنوئیں میں دیکھنے کا کہا۔ جونہی وہ جھکا اس شخص نے اس کی تشریف پر لات رسید کی اور آواز لگانی شروع کر دی چودہ، چودہ، چودہ۔

ایک فیملی کو دبئی سیٹل ہونا تھا۔ انکی خوش قسمتی کہ ان کا تعارف میرے جیسے ایک احمق نرم دل اور ضرورت سے زائد مددگار سے ہو گیا۔ یوں وہ اپنی سرمایہ کاری کے علاوہ میرے پانچ مہینے اور بیس ہزار درہم کی قیمت پر دبئی پہنچ گئے۔

انہوں نے کہا کہ ایک سال اور رکو ہم ذرا مزید سیٹل ہو لیں۔ میں نئے سال کو خوش آمدید کہتے ہوئے انتیسویں مسافر کو منزل مقصود پر پہنچانے کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا "اٹھائیس اٹھائیس اٹھائیس". یعنی اپنی زندگی میں اٹھائیس افراد کو منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد دی لیکن یہ سبق تو بہت نقصان دہ ہے کہ "اندھے سے پیٹھ

مرواو اور پھر گھر بھی چھوڑ کر آو" اب گھر تک تو چھوڑ دیا ہے تو پیارے بسنا آپ نے خود ہے۔

:اگر مکمل ناکام رہے تو مجھے مورد الزام ٹھہراتے جانے سے قبل مندرجہ امور پر سوچنا ہو گا

۔گھر بار بیچ کر سارا سرمایہ کمپنی بنانے کی مد میں خرچ کر ڈالا اور محض ڈیڑھ دو ہزار درہم لے کر دبئی
1. اترے۔

۔ہنڈیا اٹھارہ برس سے پکائی نہیں لیکن دبئی میں باورچی خانہ چلانے کا کام کرنے چلے تھے کیونکہ اسی
2. شعبے میں کمپنی رجسٹر کرائی۔

۔ساری فیملی رات جاگ کر گزارتی ہے اور دن سو کر۔شام پانچ بجے گھر سے نکل کر صبح پانچ واپس
3. آتے ہیں خالی گھوم گھوم کر۔

۔تینوں فیملی ممبرز پورے دن میں کم و بیش آٹھ گھنٹے موبائل کا بے جا استعمال کرنے کے عادی ہیں۔
4.

۔دونوں بچوں کو ماں نے برائلر کی طرح پالا ہے۔اب انہیں پنجرے سے باہر نکلنے کا کہتی ہے تو وہ بٹر
5. بٹر آنکھیں پھاڑ کر آلے دوالے دیکھتے رہتے ہیں۔

۔سربراہ نے بیس برس سکول انتظامیہ کی سربراہ کے طور پر افسری کی لیکن دنیا سے نبرد آزما ہونے کا
6. فن نہ سیکھا۔

7. ۔پوری طرح میرے اوپر بوجھ ڈال دیا کہ جس کا اپنا گزارہ وہاں مشکل سے ہو رہا تھا۔

۔نیم چڑھے کریلے کے مصداق کسی کسٹمر سے فیس کی مد میں لیا آٹھ ہزار درہم بھی گنوا بیٹھیں لہٰذا
8. کھانے کی رقم بھی نہ بچی اور ادھار سر پر جا چڑھا۔

۔واپسی ناممکن کیونکہ والدین اور بہن بھائیوں سے تعلقات منقطع کر کے وطن چھوڑا نیز رہنے کے
9. لئے گھر بھی نہ رہا۔

۔ساری غلطیوں کا میں بھی برابر کا ذمے دار ہوں کیونکہ میرا سبھی مشوروں کے پیچھے اپنا تجربہ نہ تھا۔
10.

مجھے ان حقائق کا علم نہ تھا اس لئے اب کپڑے پھڑوانے کی بجائے وطن آن بیٹھا ہوں انہیں وہاں چھوڑ کے تاکہ انہیں زندگی گزارنے کے فن سے آشنائی مل سکے۔

ان حالات سے بچنے کے لئے خلائی مدد وطن سے بھی آن لائن جاری ہے لیکن حالات مخدوش ہیں۔ مالی مدد ممکن نہیں۔

"انش پی آئی اے 2"

کالم میٹھا سچ 717 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 جنوری 2023ء

وہ تو اللہ کے کرم ہے کہ میں چار گھنٹے قبل ہی نکل پڑا تھا اور پھر "انش پی آئی اے" (یعنی پی آئی اے کی مرضی) صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہی لیٹ تھی۔ مگر سب سے بڑی اللہ کی کرم نوازی یہ رہی کہ جہاز گرے بغیر سب کو سنگل پیس ہی لے کر لاہور آن دھمکا جبکہ کئی لوگوں کے سامان کے پیس جان بوجھ کر گنوانے کے ڈرامے کر کے داخل دفتر کر کے رشوت دے کر پی آئی اے کے دفتر سے لینے پڑے۔ میری اپنے کیبن بیگج پر بروقت نظر نہ پڑتی تو چشم زدن میں دو چار ہزار ٹھگ لئے جانے کے پورے انتظامات تھے کیونکہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو کر غلطی سے بیلٹ کے آخر میں پہنچ گیا تھا جہاں ایک مستعد ملازم اسے ٹرالی پر لاد کر بجانب دفتر رواں دواں تھا۔

اس باکمال لوگ اور لاجواب سروس کو متحدہ عرب امارات میں پزیرائی صرف اس لئے ملی ہوئی ہے کیونکہ ان کی سبھی ائیر لائنز کی بنیاد پی آئی اے نے رکھی تھی لیکن اس بدقسمتی کا کیا کریں کہ نوجوان فاحشائیں اپنی ریٹائر ہو جانے والی بوڑھی کنجری کی مفت مروت میں دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہر پرواز پر انہیں ہزاروں ڈالر جرمانہ دینا پڑتا ہے کیونکہ یہ وقت پر رن وے خالی نہیں کرتے۔

اب شاگردوں کے ایئر پورٹس اس قدر مصروف ہیں کہ دبئی ایئر پورٹ پر اوسطاً ہر چار منٹ بعد جہاز اڑتا ہے اور ہر چھ منٹ بعد اترتا ہے۔ روزانہ چار لاکھ مسافر جاتے اور ساڑھے پانچ لاکھ آتے ہیں۔ دبئی ایئر پورٹ کے تین ٹرمینل ہیں لیکن اب ابوظہبی اگلے برس سے دبئی سے آگے نکل جائیگا اسی لئے دبئی اب ایک نیا ایئر پورٹ بنانے میں بھی مصروف ہے تاکہ یہ ٹائیٹل اسی کے پاس رہے۔

پی آئی اے کے بدتمیز عملے اور مرد ائیر ہوسٹ اگرچہ امارات کا مسئلہ نہیں بلکہ مسافروں کے گناہوں کا کفارہ ضرور ہے لیکن اس مسئلے کی مسلسل شکایات پر امارات کے ساتوں ایئر پورٹس پر ہماری قومی ایئر لائن پر غیر ملکی عملہ لگانے کی شرط عائد ہے۔ وہ الگ بات کہ بروقت تنخواہ نہ ملنے کے باعث کوئی قابل ذکر غیر ملکی وہاں ٹھہرا نہیں ماسوائے غریب کالوں اور فلپائینیوں کے۔

میں نے دنیا کی غالباً 25 لوکل اور عالمی ایئر لائنز میں سفر کے دوران پہلی بار چار ناقابل شکست مثالیں کل کی پی آئی اے کی فلائیٹ 326 میں دیکھیں ہیں۔ اول مسافروں سے مرد ہوسٹ کی جگت بازی اور ائیر ہوسٹس کا حقارت آمیز رویہ، دوم، مرد ہوسٹ کا مسافروں میں کھانا تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی کھانا، سوم، باربی کیو کی ایک پیکنگ چھ چھ مسافروں کو دی گئی کہ خود تقسیم کر لیں جس میں باسی بون لیس گرم کر کے دیا گیا تھا لہٰذا ٹھنڈا ہوتے ہی وہ ربڑ بنا کھڑا تھا۔ چہارم بار بار پانی مانگنے پر سرو کرنے کی بجائے پوری بوتل پکڑا کر کہنا کہ جو مانگے یہ بوتل اسے دے دیں یعنی بغیر ڈسپوزیبل کپ کے۔

تحسین بھائی آپ نے پوچھا تو غبار نکالا ہے ورنہ اب پی آئی اے تو تنقید کے قابل بھی نہیں رہی۔ میں نے کوئی دس برس قبل "انش پی آئی اے" کے عنوان سے ایک کالم لکھا تھا لیکن اب حالات

اس سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ دبئی ائیر پورٹ کے پیشہ ورانہ ماحول سے نکل کر محض ڈھائی گھنٹوں ہی میں لاہور اتر کر نانی یاد آجاتی ہے۔ ایک سو اسی مسافروں میں سے لگ بھگ سبھی پورا رستہ عملے کو گالیاں دیتے آئے ہیں اور سفارشی مرد ہوسٹ بدتمیزی کے جوہر دکھاتا آیا ہے بلکہ دیگر عملہ بھی خالصتاً سفارشی اور غیر پیشہ ورانہ لگ رہا تھا۔

لاہور ائیر پورٹ پر بیگ پر پلاسٹک چڑھانے کی فیس ایک سو روپے فی نگ ہے جبکہ دبئی ائیر پورٹ پر یہی کام پچاس درہم (تقریباً ہزار روپے) فی نگ ہے نیز پٹھان سروس والے کی ترجیح کرسی پر بیٹھے رہنے کی تھی اور کل فلائیٹ میں اس نے بمشکل پانچ سات بیگ ہی ریپ کئے ہوں گے۔

مزے کے افسوسناک مناظر تو لاہور ائیر پورٹ پر نظر آئے جہاں سول ایوی ایشن کا بے ڈھنگا عملہ خونخوار انداز میں کسی ان دیکھے شکار پر پل پڑنے کو تیار کھڑا نظر آرہا تھا۔ بلکہ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ طیارہ اترنے کے بیس منٹ بعد مسافروں کو باہر جانے دیا گیا کیونکہ کسی مطلوبہ (غالباً سیاسی مخالف) کو دبوچنے کے لئے دو کمانڈوز کا انتظار تھا جو آخری مسافر تک جہاز کے نکاسی کے دروازے پر جمے کھڑے تھے۔ علاوہ ازیں سیرین اور ائیر بلو کے برعکس پی آئی اے میں مردوں کے بیچ عورتوں کو بھی بٹھایا جاتا رہا جبکہ عرب ائیر لائینز خواتین کو آگے جگہ دے دیتی ہیں۔

ہم سب رب کی امان میں ہیں ورنہ ہمارے لگ بھگ تمام اداروں کا بھٹہ بیٹھ چکا ہے۔

"یا پھر۔۔۔۔۔۔۔۔"

کالم میٹھا سچ 718 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 3 جنوری 2024ء

ایک دوست لکھتی ہیں کہ مشرقی مرد بیوی سے محبت نہیں کرتا اور معشوقہ سے شادی نہیں۔

دوسرے دوست نے طرعہ مصرعہ پھینکا کہ بیوی سے محبت ایسے ہی ہے جیسے وہاں خارش کرنا جہاں نہ ہو رہی ہو۔۔۔

ہم جیسے فیصل آبادی سے رہا نہیں گیا اور کہنا پڑا کہ

یا پھر شدید گرمی میں پان کھانا اور وہ بھی دور تک پیدل چل کر جانا لیکن آگے دکان بند پانا۔۔۔ یا پھر انگریزی میں غزل لکھنا یا پڑھنا۔۔۔

یا پھر ٹھنڈی چائے پینا۔۔۔

یا پھر بیگم سے مشورے کرنا۔۔۔

یا پھر سیاستدانوں کی تقریریں سننا۔۔۔

یا پھر آج کے دور میں اخبار پڑھنا۔۔۔

یا پھر دس بچوں کے بعد سچی محبت تلاش کرنا۔۔۔

یا پھر آج کے دور میں نوکری چھوڑ کر پی ایچ ڈی کرنا۔۔۔

یا پھر پٹواری سے عقل کی امید رکھنا۔۔۔

یا پھر امید رکھنا کہ ملاں جنت میں لے جائے گا۔۔۔

یا پھر زرداری کو ایماندار کہنا۔۔۔

یا پھر عمران کو سیاست دان سمجھنا۔۔۔

یا پھر فوج کو بخش کر سیاستدان کو گالی دینا۔۔۔

یا پھر سوئٹزرلینڈ میں مال رکھ کر دوست ممالک سے قرض مانگنا۔۔۔

یا پھر ایوان فیلڈز میں بیٹھ کر ملک کی ترقی کے منصوبے تراشنا۔۔۔

یا تین بار طلاقیں لے کر پھر گھر بسانے کے خواب دیکھنا۔۔۔

یا پھر بلے کو دودھ کی نگرانی پر بٹھانا۔۔۔

یا پھر تبلیغی جماعت کو کھانے کی دعوت دے ڈالنا۔۔۔

یا پھر پاکستان میں ترقی کی امید لگا کر یہیں بیٹھے رہنا۔۔۔

یا پھر بغیر دانتوں کے چھلکے سمیت سیب کھانا۔۔۔

یا پھر کھوچل نٹ کو پیچ کس سے کسنا۔۔۔

یا پھر کشمیر کے لئے لڑائی کی تیاری کرنا۔۔۔

یا پھر کسی لڑکی کا کنگلے پر مرمٹنا۔۔۔

یا پھر روزہ رکھ کر فلم دیکھنا۔۔۔

یا پھر نماز کے بعد سوشل میڈیا پر بیٹھ جانا۔۔۔

یا پھر حاجی نمازی کا عشقیہ شاعری کرنا۔۔۔

یا پھر انجینئر کا مزاحیہ کلام لکھنا۔۔۔

یا پھر ڈنگر ڈاکٹر کا انسانوں کا علاج کرنا۔۔

یا پھر کسی مولوی کے بچے گننا۔۔۔

یا پھر حرام کی کمائی سے حلال گوشت ڈھونڈنا۔۔۔

یا پھر کسی مسلم خاتون کا نامحرم سے باتیں کرنا۔۔۔

یا پھر بغیر سمجھے قرآن پڑھ کر اسے نیکی سمجھنا۔۔۔

یا پھر کمینگی کو کنجوسی اور کنجوسی کو کفایت شعاری گردانا۔۔۔

یا پھر چوری شدہ پوسٹوں کو سوشل میڈیا پر شیئر کر کے اپنے تئیں دانشور بننا۔۔۔

یا پھر اردو کا لکھاری کہلوانا مگر اردو رومن انگلش میں لکھنا۔۔۔

یا پھر ناول نگار بن جانا لیکن مضبوط کو مظبوط لکھنا۔۔۔

یا پھر لکھاری کہلوانا مگر آسامی کو سامی لکھنا۔۔۔

یا پھر اندھے کا دوسروں کا اندھاپن دور کرنا۔۔۔

یا پھر اندھے حافظ کا نام چراغ دین رکھ لینا۔۔۔

یا پھر حسین عورت کا دعوت نظارہ دے کر بھی پاکباز ہی رہنا۔۔۔

یا پھر رات سوشل میڈیا پر گزار کر اور دن سو کر گزارنے والے کا اپنے آپ کو کاروباری سمجھنا۔۔۔

یا پھر چلتے چلتے موبائل چلانا۔۔۔

یا پھر دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر بھی موبائل پر نظریں جمانا۔۔۔

یا پھر سیل فون لے کر واش روم میں گھسنا۔۔۔

یا پھر کاروبار میں جھوٹ بولنا اور پھر اسی پیسے سے عمرے اور حج کرنا۔۔۔

یا پھر رشوت کو حرام سمجھ کر نفرت سے دینا اور لینا۔۔۔

یا پھر نو سر باز کو پہچان نہ پانا مگر تجربہ کار بھی کہلوانا۔۔۔

یا پھر ڈلیوری بوائے کی چالبازی سے مفت کھانا کھالینا لیکن دیگر حرام اشیاء کے قریب نہ پھٹکنا۔۔۔

یا پھر عرب سے دوستی کرنا مگر اونٹ سے نفرت

یا پھر بہن کہہ کر عورت کا قرب حاصل کرنا اور پھر بہن کی گالی کی مثال بن جانا۔۔۔

یا پھر پانچ وقت نماز مسجد میں پڑھنا لیکن محلے بھر کی خبر رکھنا اور چغلی کھانا۔۔۔

یا پھر فرض نماز نہ پڑھنا مگر واجب جمعہ بھی نہ چھوڑنا۔۔۔

یا پھر حب دین میں یہودی مصنوعات کے بائیکاٹ کا درس دینا لیکن چپکے چپکے استعمال بھی کرتے رہنا
۔۔۔

یا پھر اچھے ریستوران کا مینیو دیکھ کر آرڈر نہ کرنا مگر دانت خلال کرتے باہر نکلنا۔۔۔

یا پھر مسجد جانا تو جوتے بھی ساتھ لے جانا اور دوران نماز نظر بھی رکھنا۔۔۔

یا پھر میوزیکل نائٹ میں فاحشہ کا باقاعدہ گلوکاری سے قبل حمد یا نعت پڑھنا۔۔۔

یا پھر سرکاری ملازم کا تمام بے ایمانیوں کے باوجود پنشن کو حق حلال سمجھنا۔۔۔

یا پھر کسی عورت کا ماں بہن کو اچھا مگر ساس نند کو غلط سمجھنا۔۔۔

یا پھر کسی پروفیسر کا جعلی ریسرچ سے مقالے اور کتابیں لکھنا۔۔۔

یا پھر پیر کا اپنے بزرگوں کی قبر پر گلک رکھ کر مریدوں سے پیسے بٹورنا۔۔۔

یا پھر عرس شریف، ختم شریف اور پنڈھارے شریف کو حلال سمجھنا۔۔۔

یا پھر غیر مقلد یا مخالف فرقے والے کو مسجد میں داخلے سے روکنا لیکن پھر تبلیغ پر روانہ ہو جانا۔۔۔

یا پھر برادری، سفارش اور رشوت کے زور پر وائس چانسلر بن جانا اور پھر اپنے آپ کو معزز گردانا
۔۔۔

یا پھر کسی احمق کا دوسروں پر تنقید کرنا لیکن خود نظر بچا کر معمولی چیز چرا لینا۔۔۔

یا پھر بار بار عمرے کرنے والے کا خدمت گزاروں کو کمی کمین سمجھنا۔۔۔

یا پھر ہم وطنوں سے غداری کے عوض گورے سے انعامی زمین اور دولت کو بزرگوں کی ہشیاری سمجھنا اور اپنے آپ کو حقدار بھی سمجھنا۔۔۔

یا پھر میاں بیوی کا نمازیں بھی پوری کرنا لیکن سالوں سال آپس میں کلام بھی نہ کرنا۔۔۔

ویسے ہی بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ شاید آپ کو منافقتوں کا علم نہ ہو لیکن آپ صاحب علم بھی ہوں۔۔۔۔۔

ہی ہی ہی ہی ہی ہی اور ہاہاہاہاہاہا

"سیانے سیانے ہی ہوتے ہیں"

کالم میٹھا سچ 719 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 4 جنوری 2024ء

ایک سکھ رجمنٹ فتوحات کرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی اور رعونت سے ہر کھیت پر پیشاب بھی کرتی چلی جا رہی تھی کہ دشمن نے اگر پیچھا کیا تو ہمارا گند کھائے گا۔ اتفاقاً اگلی منزل پر شکست ہو گئی تو واپس بھاگنا پڑا۔ ہانپتے کانپتے ایک خربوزے کے کھیت پر پہنچے اور مارے بھوک کے خربوزوں پر پل پڑے۔ کسی نے یاد دلایا کہ اس پر ساری فوج نے پیشاب کیا تھا۔ ایک سردار جی خربوزہ کھاتے ہوئے بولے اس خربوزے پر نہیں کیا تھا۔ دوسرے نے بھی یہی کیا اور یوں وہ سارا کھیت چر گئے۔

یہ لطیفہ ہمیں وہ شاپر بیگ کھولتے ہوئے یاد آیا جس میں ہم نے اپنے نئے پرانے کپڑے پیک کر کے دبئی جاتے ہوئے گھر والوں کو تاکید کی تھی کہ الخدمت والوں کے حوالے کر دینا تاکہ کسی غریب کے کام آ جائیں۔ بیگم نے کہا بھی کہ کچھ نئی شرٹس اور پینٹ کوٹ تو نہ دیں شاید سردیوں میں لاہور آنا پڑ جائے۔

لیکن یکم جنوری کی یخ سردی میں ہمیں کسی کام سے واقعی لاہور آنا پڑ گیا ہے تو اب یہی گرم کپڑے کام آ رہے ہیں۔ جنہیں اسی شاپر سے نکال نکال کر استری کراتے جا رہے ہیں اور پہنتے جا رہے ہیں۔ الخدمت والوں کا خصوصی شکریہ کہ ان کی لاپرواہی کا ہمیں ہی فائدہ پہنچا ہے۔

ہم اب بیگم کی عقل اور الخدمت والوں کی خدمت کے مزید قائل ہو گئے ہیں جنہوں نے انجانے میں یا شاید کام چوری میں ہی سہی ہمیں ٹھنڈک سے بچا لیا ہے وگرنہ ہزاروں روپے ڈوبنے والے تھے نئے کپڑے لینے کے لئے۔۔

"دھکا سٹارٹ"

کالم میٹھا سچ 720 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 5 جنوری 2024ء

ہمارے ایک معزز لکھاری دوست اس بات پر سیخ پا ہیں کہ سوشل میڈیا پر لوگ ان کی تحریریں چراتے ہیں اور ان کا مدعا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے بلکہ سبھی حقیقی قلمکاروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے لہٰذا میں نے افاقے کی خاطر مشورہ دیا کہ حوصلہ بڑا رکھیں اور ایسا ہونے دیں۔ میں نے بھی اپنا دکھڑا سنایا ہے کہ میرے ایک سرسری اندازے کے مطابق میری ساٹھ فیصد تحریریں چوری ہوتی ہیں اور ان میں سے آدھی یا چوتھائی مختلف ناموں سے دوبارہ مجھ تک پہنچ جاتی ہیں۔

شروع میں میں نے دو چور پکڑے ایک کراچی کے پنجابی (خ م) تھے جو جماعت اسلامی کے باقاعدہ باریش نوجوان رکن بھی تھے۔ انہوں نے مجھے فوراً انفرینڈ کر دیا لیکن دوسرے اکاؤنٹ سے کافی عرصے تک میری وال دیکھ کر چوری جاری رکھے رکھی۔ دوسرے صاحب ملتان کے ایک کافی بڑے کاشتکار (م ش) تھے۔ جب میں نے ان کی سرزنش کی تو اپنے ہی دوسرے اکاوئنٹ سے انہوں نے اپنی خوب مدح سرائی کی اور میری لمبی چوڑی کلاس لے ڈالی۔ خیر انہوں نے پھر خود ہی محسوس کیا ہو گا اور آج میں ان کے ایک بڑے گروپ کا رکن ہوں۔ چھوٹے موٹے بونے تو آج بھی یہی کچھ کر رہے ہیں لیکن اب مجھے صبر آ چکا ہے اور میں اپنے سرقہ شدہ مواد پر دانت نکالنے

والا ایموجی بنا کر بس اتنا پوچھتا ہوں کہ محترم یا محترمہ یہ پوسٹ کس کی ہے ؟ اور ساتھ ہی میں جو پچھلے چودہ برس سے ہر پوسٹ کو تاریخ کے ساتھ محفوظ کرتا آیا ہوں انہیں ارسال کر دیتا ہوں اور جواباً "موصوف پاتال میں کہیں غائب ہو جاتے ہیں۔

میرا طبعزاد تخیل تو لگ بھگ سارا ہی سرقہ کر لیا جاتا ہے لیکن میں انہیں اب تو باور بھی نہیں کراتا۔ مجھے نہ تو تاریخ میں جرمن فلاسفر ہیگل بننا ہے اور نہ میں سیاسی و معاشی استاد ایڈم سمتھ بن سکتا ہوں کیونکہ دونوں کے پاس اپنے قومی میڈیا کی سہولت تھی جو اگر علامہ اقبال کو حاصل ہوتی تو شیکسپیئر ان کے سامنے پانی بھرتا نظر آتا۔ اپنے وقت کے اساتذہ اور ان کے اساتذہ سے ہم نے براہ راست سیکھنا ہوتا ہے اور ایسا کر کے ہی میں آج دو درجن طبعزاد کتب کا مصنف بنا بیٹھا ہوں ورنہ وہ اساتذہ نہ ہوتے تو کم از کم میں تو گونگا بہرہ رہ کر ہی دنیا سے کوچ کر جاتا۔

ہاں سیکھا دو طرح سے جا سکتا ہے بشرطیکہ کوئی سنجیدگی سے سیکھنا چاہے۔ اول کسی تحریر سے انسپائر ہو کر خود اپنے اندر کے ادبی کیڑے کو جگایا جائے یا پھر دوم، کسی کی تحریر من و عن کاپی کر کے بعد ازاں روانی پکڑتے ہی اپنی بھی ٹوٹی پھوٹی تحریروں کو مرمت کر کے مضبوط بنا لیا جائے۔ پہلا طریقہ اخلاقی ہے اور اسے رویو آف لٹریچر کہا جاتا ہے جس کی سائنسی مقالہ جات میں بھی اجازت ہے۔ دوسرا طریقہ واردات شروع میں غیر اخلاقی ہوتا ہے لیکن اگر کسی کا تڑکہ یا دھکا لگوا کر اپنی گاڑی سٹارٹ ہو جائے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔

شنید ہے کہ پہلا طریقہ استعمال کرنے والوں میں رابندر، ہیگل، برگساں، رومی، سعدی، پائلو کوئیلو، ہنٹنگٹن، شیکسپیئر، غالب، فیض، فراز اور اقبال کی طرز کے لوگ تھے اور دوسرے طریقے والوں

میں بھی اقبال تھے جنہوں نے نطشے کے سپر مین سے مرد مومن کا فلسفہ نکالا، رومی و رازی سے اسلامی رموز لئے جبکہ ہیگل، مسولینی اور لینن سے ریاست کے تصورات اٹھائے۔ اسی گروہ میں ابن صفی نے ایین فلیمنگ، اشفاق احمد اور بانو قدسیہ نے فرنچ ادب، شباب کیرانوی نے ہندی فلم، قتیل شفائی نے ساغر صدیقی اور جمیل بسمل نے ہندی ڈرامے کاپی کئے۔ مگر دوسرے طبقے کی جب گاڑی دھکے سے سٹارٹ ہو گئی تو ان کی پھر طبعزاد تحریروں نے ادبی دنیا میں تہلکہ مچا کے بھی تو رکھ دیا ہے ناں۔

کہنے کا مقصد ہے کہ جب کوئی آپ کی کاپی کرتا ہے تو گھبرائیں مت آپ یقیناً ان کے لئے قابل مثال ہی تھے تو کاپی ہوئے ورنہ کوئی گنگو تیلی کی کاپی تھوڑی کرے گا۔

"دماغ کا سو فیصد استعمال"

کالم میٹھا سچ 721 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 جنوری 2024ء

جدید ترین نیورولوجی اور دماغی مطالعے کی تحقیق کے مطابق انسان کا دماغ اتنا طاقتور عضو ہے کہ جب آئن سٹائن کے دماغ سے لئے گئے نمونے کی کارکردگی کا 1957ء میں جائزہ لیا گیا تو ثابت ہوا کہ اس نے بھی محض گیارہ فیصد ہی دماغ استعمال کیا تھا۔ حالانکہ آئن سٹائن کا دماغ عام انسان سے خاصہ چھوٹا تھا۔ sulcus 15 فیصد چوڑا تھا کیونکہ اس کے دماغ کا لمبوترا

اس تجزیئے نیز دیگر برین فنکشنز کی بنیاد پر فرنچ سینما نے 2015ء میں فلم لوسی ریلیز کی اور بتایا کہ اگر کسی کا دماغ سو فیصد کام کرے تو وہ کائنات کے ماضی و حال کے سارے رموز جان سکتا ہے۔ یہی صفت قرآن میں درج واقعات کی بھی ہے۔

ان معلومات کی بنیاد پر یہ نظریہ جنم لے رہا ہے کہ

"الیکشن ڈرامہ"

کالم میٹھا سچ 722 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 7 جنوری

پرسوں سینٹ سے انتخابات ملتوی کرنے کی قرارداد عجلت میں منظور کرالی گئی۔

ہم ملک سے باہر بیٹھ کر کئی مہینوں سے کہہ رہے ہیں کہ انتخابات نہیں ہونے لہٰذا موجودہ الیکشن ڈرامے سے پرے رہیں۔ 100 کے ایوان بالا یعنی سینیٹ میں سے 14 یہ قرارداد لائے۔ باقی کو کہاں موت پڑی ہوئی تھی کہ سینیٹ میں نہیں آئے؟

حیرت تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق کس کے اشارے پر قرارداد سے قبل ایوان سے ہی چلے گئے؟ ویسے یہ کون سی جمہوریت ہے کہ جس میں سو میں سے محض چودہ ارکان آئیں اور کہیں کورم کی نشان دہی بھی نہ ہو اور وہ ملکی سطح کا فیصلہ کر کے چلتے بنیں۔ ہم پر کنٹرولڈ جمہوریت والا نظام لاگو کرنے والے ہی دراصل رانگ نمبر ہیں۔

ایوان بالا سے منظور ہونے والی اس قرارداد پر عوامی ردعمل زیرو ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نوے فیصد عوام کو اس طرح پیٹ کے چکر میں ڈال دیا گیا ہے کہ انہیں کسی بھی نظام سے دلچسپی نہیں رہی۔ اور یہی اصل حکمران چاہتے بھی ہیں

بعد از تبصرہ جات

میں سلام پیش کرتا ہوں محترم مشتاق صاحب کو۔ ایسے ہی چند لوگ تو اس بدنصیب ملک کے صحیح رکھوالے ہیں اسی لئے انہیں دھوکہ دے کر قرارداد لائی گئی تھی۔ میں اپنے کالم میں محترم سینیٹر مشتاق کے بارے پیدا ہونے والی غلط فہمی پر اگلے کالم میں معذرت کروں گا۔

اب ایوان کے جمہوری چہروں کو سینیٹر مشتاق کی سربراہی میں اکٹھے ہو کر اس قابل مزمت غیر جمہوری قرارداد کے نوٹیفکیشن کو معطل کرا دینا چاہئے۔

"مستقل تخفے"

کالم میٹھا سچ 723 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 13 جنوری 2024ء

ہمارے ایک ساتھی لکھتے ہیں کہ "تھوڑی دیر کے لیے سوچیں ہمارے مذہب کا انتخاب ہمیشہ والدین کی صوابدید ہوتی ہے۔ کیوں؟". ہمارا موقف یہ ہے کہ نام تو مجبوری ہے لیکن مذہب دے دینا زیادتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ عاقل بالغ ہوتے ہی کھلے ذہن کے ساتھ اگر چاہیں تو مطلوبہ تبدیلی لے آئیں لیکن اس سلسلے میں معاشرتی دباؤ کے سامنے ڈٹ جانا سبھی کے لئے ممکن نہیں۔

یونیورسٹی میں ہمارے ارد گرد سبھی اللہ دتے یا اللہ ڈوائے اے ڈی لکھتے تھے اور بطور تخلص انجم، اشرف، چنا، یا کچھ اور لگا کر گزارہ کرتے رہے۔

میرے نام سلطان پر والدین کا اتفاق جاوید کے نام پر ہوا لیکن بزرگوں کے احترام کے باعث نانا کے حکم پر سلطان رکھنے پر والد صاحب بھی ادب سے قائل ہو گئے کیونکہ ریڈیو فیم نانا کی آواز دونوں پنجابوں میں تب ساڑھے تین کروڑ عوام روزانہ پروگرام "جمہوردی آواز" میں سنا کرتے تھے لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اپنے ہی گھر میں بھلا نہ سنی جاتی؟

نانا مرحوم ہمیں زر و دولت بخشنے کی بجائے مشاہیر والے نام بخشنا چاہتے تھے مثلاً سلطان، ہمایوں، ایاز ۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ چپقلش پانچویں بچے تک جاری رہی اور نانا کی وفات نے والد صاحب کو آزادی

بخشی لیکن تب تک ہم بڑے بہن بھائیوں نے والدہ کی طرف داری شروع کر کے والد کو جتلا دیا کہ آپ اپنے کام سے کام رکھیں معاملات ہم پر چھوڑ دیں۔ ریڈیو فیم نانا کی آواز۔۔۔۔۔

"ڈگڈگی"

کالم میٹھا سچ 724 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 جنوری 2024ء

ہماری فیس بک فرینڈ فراز کا قافیہ استعمال کرتے ہوئے طنزیہ لکھتی ہیں کہ اے فراز اب بلا بھی غائب ہے اور بلے باز بھی۔ ہم نے عرض کہ محترمہ شاید آپ جان بوجھ کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتیں کہ:

سیاستدان کا باپ فوجی (ربر سٹیمپ پارلیمان)

جج کا باپ بھی فوجی (بکاؤ عدلیہ)

صحافی کا باپ بھی فوجی (زرد صحافت)

بیوروکریٹ کا باپ بھی فوجی (کالا انگریز)

اور

ابا جی کے ہاتھ میں ڈگڈگی

اور باقی سب ناچنے والے بندر

ویسے تو سارے جوتے عوام کے لئے ہی ہیں جو کہ واحد تماش بین ہے نیز جوتے عوام کو پڑنے بھی چاہیں کیونکہ یہ اس لئے جوتوں کی حقدار ہے کہ یہ ناچنے والے بندر کے ساتھ ناچتی ہے اور تھک کر گرنے والے پر ہنستی ہے اور براہ راست وہی کچھ کرتی ہے جو ابا جی چاہتے ہیں حالانکہ اگر یہ جیالی پٹواری یوتھی میں تقسیم جاہل عوام غیرت میں آکر تماشہ سمجھ جائے اور متحد ہو جائے تو ابا جی ڈگڈگی سمیت ایسے غائب ہوں گے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

"ترقی معکوس"

کالم میٹھا سچ 725 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 جنوری 2024ء

آپ سے بعد میں آزاد ہونے والی اقوام ترقی کی معراج پر پہنچ گئیں۔ چین اور کمبوڈیا کی مثال لے لیں۔ لیکن آپ ترقی کرتے کرتے ریورس گیئر پر کیوں آ گئے؟ مختصر الفاظ میں جواب پلیز

ڈاکٹر

ملک سیاسی بصیرت سے محروم کمپنی ملازمین کے قبضے کی وجہ سے۔

سجاد

کیوں ہے ایسا ڈاکٹر صاحب۔ یہ بھی تو بتائیں۔ ویسے عوامی شعور کا نہیں ہونا بھی اصل وجوہات میں سے ایک ہے

ڈاکٹر

یہ بھی کمپنی کے قبضے کا شاخسانہ ہے۔

سر میں نے آپ کے حکم کے مطابق مختصر ترین جواب دیا تھا لیکن چونکہ جناب تفصیل چاہ رہے ہیں تو عرض کرتا ہوں۔

کسی قوم کا معمار اور پالیسی ساز صرف سیاستدان ہی ہوتا ہے۔ لیکن کمپنی بہادر نے ہمیں سیاستدان بھی اپنی نرسری اور فیکٹری کے بنے ہوئے عطا کئے۔ جو نو سے پانچ والی ملازمت والے سٹائل سے آشنا تھے لہٰذا آہستہ آہستہ ملک ڈنگ ٹپاؤ پالیسیوں کا خوگر بنتا گیا۔ پس نتیجہ حاضر ہے۔ کوئی سی بھی ایسی کامیاب ترقیاتی پالیسی بتادیں جس نے آزادی کے وقت سے تسلسل پکڑ رکھا ہو اور مثبت نتیجہ دیا ہو؟

آپ کی پوسٹ پر کمنٹس پڑھ کر میں خاصہ مایوس ہوا ہوں کہ اکثریتی نوجوان ابھی تک اسٹیبلشمنٹ کے معنی، گہرائی اور گیرائی سے نابلد ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پوری قوم کو ابتدا ہی سے جان بوجھ کر خالی الذہن بنایا گیا ہے تاکہ اگر بفرض محال ترقی کی خاطر انقلاب برپا بھی ہو جائے تو کچے اذہان کے باعث جلد ہی ناکام بھی ہو جائے۔

ہاں البتہ پانچ زہر پوری قوت سے ناخواندہ پاکستانی عوام کی شریانوں میں ڈال دیئے گئے ہیں جو ہماری اسٹیبلشمنٹ نے عالمی اسٹیبلشمنٹ کے دباؤ پر کئے ہیں تاکہ ہمارے ملک کو بنانے والی عالمی اسٹیبلشمنٹ ہم سے کرائے کے ملک کی طرح خدمات لیتی رہے۔ مثلاً ناخواندگی، جاگیرداری، اجتماعی مذہب، مصنوعی جمہوریت اور بے سمتی (مذہب کب زہر بنتا ہے اس پر الگ سے منطق دی جاسکتی ہے). اب 76 سال بعد جو کھچڑی سامنے آئی ہے اس نے ہم سے دنیا کی برابری والی منزل چھین لی ہے۔

چین اور کمبوڈیا کے حوالے سے عرض کروں کہ ماؤ سے شی پنگ، ہن سن، لی کوان بلکہ مہاتیر تک نے یہ پانچوں زہر اپنی اپنی قوموں میں بے اثر کر دیئے لہٰذا ہمارا ان زہروں کی موجودگی سے ان اقوام سے تقابل بنتا ہی نہیں۔

آخری نکتہ، ہم نے ایوب کی سربراہی میں 1960ء کی دہائی میں خوب صنعتی ترقی کی تھی لیکن ریورس گیئر کی ابتدا ہمارے آپ کے محبوب رہنماء اور خصوصی امریکی ایجنٹ بھٹو صاحب نے لگائے جن میں نمایاں ترین صنعتوں اور تعلیم کو قومیانے والے تھے۔ تب ہم ایوبی ایجنڈے کے مطابق مصنوعی جمہوریت، مصنوعی مذہبیت، جاگیرداری اور ناخواندگی کے باوجود بھی بے سمت نہیں تھے لہٰذا ہماری اٹھان والے گیس کے غبارے کو پنکچر کر دیا گیا۔ اور پھر رہے نام اللہ کا کہ ہم سے ہماری آخری امید یعنی ترقی پذیر سمت بھی چھین لی گئی۔

تبصرے

سجاد بخاری

ڈاکٹر صاحب آپ کے دلائل بہت مضبوط اور قائل کرنے والے ہیں اور عمران بھائی آپ کا مطالعہ بہت کمزور ہے ڈئیر

عمران

سجاد حسین بخاری صاحب، انگلش اور ہندو مصنفین اور فورن پیڈ اینکرز کو سن کر پاکستان اور مسلم کے خلاف نفرت کو آپ تعلیم کہتے ہیں تو پھر کم علم ہی ٹھیک ہو۔

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

اور سلطان بھائی جنگ کے بعد ملک کا بیڑہ غرق ہی ہوتا ہے۔ جتنی ہم نے لڑی ہیں کسی اور نے لڑی ہوں تو بتاؤ؟

ڈاکٹر

پلیز ابھی بیسیوں سال دنیا بھر کا مطالعہ کریں پھر سنیں گے آپ کو اگر زندگی نے وفا کی تو لہٰذا اس وقت بیکار کی بحث بند کرنے کی درخواست ہے۔

"دورہ دبئی کا بے لاگ جائزہ"

کالم میٹھا سچ 726 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 جنوری 2024ء

چھ ماہ کے دورہ دبئی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا دورہ نو مارچ تا 5 اپریل 2023ء اور دوسرا اسی برس از یکم اگست تا 31 دسمبر

کامیابیاں

1. کمپنی الزاہا کیئر سروسز LLC بنائی۔
2. کمائی آٹھ ہزار درہم

چھ روزہ شرکت COP28

3. ۔معاشرتی و کارپوریٹ مطالعہ امارات
4. ۔نصف وقت کار آمد
5. ۔رینٹل اور ایمیزون کے کاروباروں کی جانکاری 6
6. ناکامیاں

112K شخصی فراڈ K فراڈ +5.5 K درہم۔8 K۔ قرض 112

Kدرہم27.5 درہم K۔ قرضے میں رقم پھنسائی27.5

7. ۔پی ایم ایل کمپنی کے اعتماد میں ضعف 3

8. Enzo ۔کاپ28میں سے ملاقات نہیں ہو پا9 کئی4

9. ۔نصف وقت برباد5

10. ۔نوکری تلاش ہی نہیں کی۔6

11. ۔کل خرچ22,500درہم(17لاکھ روپے)+ساڑھے تین لاکھ روپے + آٹھ لاکھ روپے7

12. سبق سیکھے

13. 1۔

14. 2۔

15. 3۔

16. 4۔

17. آئندہ ایجنڈا

18. ۔نیٹ ورکنگ1

19. ۔دونوں کمپنیوں کیلئے سرمایہ کار کی تلاش2

20. ۔آمدن از ماحولیاتی مشاورت3

21. ۔آمدن از ویزہ جات4

22. ۔آمدن از سیاحتی ٹورز5

"اللہ کے انکاری"

کالم میٹھا سچ 727 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور 15 جنوری 2024ء کی نصف شب

ایک فلاسفر نے فیس بک پر لکھا ہے کہ ایک اہم اور حساس سوال یہ ہے کہ مذہبی حوالے سے قدرت کے اس سنگین اور روح فرسا سلوک کو کیا گناہوں کی سزا کہیں گے ؟ خدا کی طرف سے عذاب کا نام دیں گے، آزمائش کہیں گے یا اس جہنم جیسی زندگی کے بدلے میں اس کے لیے جنت میں محلات تعمیر ہو رہے ہوں گے ؟ آخری بات یہ ہو سکتی ہے کے فطرت کوئی نیک و بد نہیں دیکھتی اور اپنے خود کار طبعیاتی نظام کے تحت اپنا کام کرتی رہتی ہے ؟

پہلی بار ہم نے سبھی دوستوں کے کمنٹس اس نیت سے پڑھے ہیں تا کہ اندازہ لگا سکیں کہ کتنے فیصد لوگ روایتی سوچ رکھتے ہیں اور کتنے آوٹ آف دی باکس بھی جا سکتے ہیں۔ چونکہ انسان فطری طور پر سہل پسند ہے اس لئے اکثریت اپنے کمفرٹ زون سے باہر نہیں نکلی۔

ہم نے اگر سکالر دوست سے جان نہیں بلکہ آن کی امان پانے کے بعد عرض کرنے کیا جرأت کی ہے کہ طبی و طبعی معاملات کو اللہ سے جوڑنا ہی درست سوال نہیں بنتا نیز قدرت اور

فطرت جیسے الفاظ کسی حد تک درست ہو سکتے ہیں بشرطیکہ یہ اللہ کے معنوں میں استعمال نہ ہوں تو۔ کیونکہ انسان ایک ایسی روبوٹک مشین کی مانند ہے جس کا جسم اور روح

ہے۔ set of spontaneous actions کے ملاپ سے ایک خود کار پتلا مرتب ہوا ہے یعنی at random اس خود کار پتلے کی ساخت کی تشکیل کے وقت جو کیمیکلز

کسی درجہ حرارت، نمی، پریشر، روشنی و مقناطیسیت وغیرہ کے زیر اثر کسی مخصوص ترتیب سے ملے اس طرح وہ زندگی گزار کر ناکارہ یعنی مردہ ہو جاتے ہیں۔

البتہ ایک مقام پر انسان کچھ نفسیاتی و طبعی افعال کچھ ایسے انداز سے سر انجام دیتا ہے جو اس کی فزیکل کیمسٹری پر اثر انداز ہو کر اچھا یا برا نتیجہ مرتب کرتے ہیں جنہیں ہم سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے کمفرٹ زون میں بیٹھے بیٹھے جھٹ سے اللہ کا نام لگا دیتے ہیں لہٰذا اللہ کا جنم ایسے ہی ہوا لگتا ہے۔ کیونکہ جب جب انسان حقائق کو کھوجتا چلا جاتا ہے اللہ دور ہوتا چلا جاتا ہے وگرنہ جب کبھی انسان کو پتے بھی ہلنے کی سمجھ نہیں آتی تھی تو اس نے اسے بھی اللہ ہی کے حکم کا نام دے دیا ہوا تھا۔ ایسے ہی زلزلے، نر مادہ کی جنسیت کی تعیناتی یا فکسیشن نیز موسمیاتی تغیر و تبدل وغیرہ سب اللہ ہی کے نام لگا کر ہم انسان جان چھڑا لیتے تھے اور پھر سر جھٹک کر دیگر کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے۔

پھر کچھ لوگ وجوہات جاننے کی ضد کر بیٹھے اور وہ سائنسدان کہلانے لگ گئے۔ دو چار سو برسوں سے ان ولیوں نے آج وہ محیر العقول وضاحتیں دے دی ہیں کہ کائنات کے سبھی رموز آہستہ آہستہ سمجھ میں آنے لگ گئے ہیں اور جن کے ظہور پذیر ہونے پر اب اللہ، فرشتوں، جنوں اور روحوں کی مہر نہیں لگتی بلکہ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی و نفسیات کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ پچھلے دو

سو برس سے اللہ بے حد دور کھڑا نظر آنے لگ گیا ہے۔ سائنس کی موجودہ رفتار سے تو لگنے لگ گیا ہے کہ انسان بہت جلد اللہ کا انکاری بھی ہونے جا رہا ہے شاید۔

میں ریلیز ہونے والی فرنچ فلم لوسی نے تو انسانی دماغ کے موجودہ گیارہ بارہ فیصد استعمال ہی 2014 کو سو فیصد تک پہنچتے پہنچتے الوہی طاقت کا نام دے ڈالا ہے جو پچھلے تمام علوم کے علاوہ آنے والے اس کانسیپٹ کو سمجھنے کے لئے نفسیات کی) علوم پر بھی دسترس حاصل کرنے پر قادر ہو سکتی ہے۔ (کا مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے intution تعریف کردہ اصطلاح وجدان یا

خیر بات کو سمیٹتے ہوئے عرض کروں گا کہ طب و صحت اور سپرٹ یا روح کا مذاہب سے دور دور تک بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ آپ کے آخری فقرے میں بھی ابہام ہے کہ شاید آپ نے فطرت کا لفظ خدا کے لئے ہی استعمال کیا ہے؟ گستاخی معاف

نوٹ: قرآنی علوم سے بے بہرہ اور متشدد خواتین و حضرات اگر دخل در معقولات نہ فرمائیں تو وقت کی بچت ہو جائے گی۔

"ہمارے کارنامے"

کالم میٹھا سچ 731 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور،

ہاہاہاہاہاہا بھائی یہ سب ہماری فوج کے کارنامے ہی آپ نے گنوائے ہیں۔ جس کی جس ملک کو ضرورت پڑتی ہے تو وہ رقوم کے عوض یہ خدمات ہم سے لے لیتا ہے۔ اور ایسی خدمات سے فیس وصول کرنا ہمارا ایک الگ سے کاروبار ہے۔

لیکن دنیا میں جس ملک نے بھی معاشی ترقی کی ہے فوج صرف وہاں اپنے ملک کی حفاظت کا بندوبست کرتی ہے اور ایسا ہماری فوج بھی کرتی ہے۔ گڈ۔ مگر دنیا کی اصل ترقی کا راز سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی سے ہے لیکن بدقسمتی سے وہاں ہم ٹھس ہیں۔

جب دنیا میں اہم قوموں کا ذکر ہو گا تو وہاں یہ نہیں دیکھا جاتا یا یہ نہیں گنا جائے گا کہ اس قوم کی فوج نے کاروباری سطح پر کتنے ممالک کی مدد کی۔ وہاں صرف یہ دیکھا جائے گا کہ کس قوم نے کتنی ایجادات کیں، کتنے نوبل پرائز جیتے، انسانیت کی بقا اور فلاح کے لئے کون کون سے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچائے؟

خوش قسمتی سے ماضی میں ہمارے پاس ایسی مثالیں موجود رہی ہیں کہ جہاں ہماری ایئر لائن نے دنیا کی آج کی چھ کامیاب ایئر لائنز کو تربیت دی، ہمارے زرعی سائنسدانوں نے گلف ممالک کے

ریگزاروں اور صحراوں کو نخلستانوں میں تبدیل کیا اور ہمارے سوفٹ وئیر انجینئرز نے سلیکان ویلی میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔

لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ پھر ہماری ائیر لائن تباہ کیوں کر دی گئی، زراعت کو پس پشت ڈال کر ہاؤسنگ سکیمیں بنادی گئیں جس سے ملک میں اشیائے خوردونوش عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو گئیں اور آئی ٹی کی انڈسٹری کو اس طرح کچلا گیا کہ اب گلف وغیرہ میں ہر بیس پچیس سافٹ ویئر بھارتی انجینئرز کے مقابل بمشکل ایک پاکستانی انجینئر دستیاب ہے۔

آج ترقی یافتہ امیر اقوام اگر سب بھارتیوں کو نکال بھی دیں تو ان کی واپس اپنے ملک میں کوئی نہ کوئی کھپت ہو جائے گی لیکن اگر خدانخواستہ یہی سلوک پاکستانیوں کے ساتھ کر دیا گیا تو پھر جو ہو گا اسے سوچ کر ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

مجھے یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کہ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز کی کسی بین الاقوامی کانفرنس میں سبھی وائس چانسلرز یہ بتا رہے تھے کہ میری یونیورسٹی کے میرے دور میں اتنے نوبل پرائز جیتے گئے، اتنے ہی ایچ ڈی پیدا کئے گئے اور اتنی ملٹی نیشنل کارپوریشنز کو سربراہ اور کارکن مہیا کئے گئے لیکن پنجاب یونیورسٹی کے فوجی وائس چانسلر کی اس بات پر کانفرس میں خوب مضحکہ اڑا جب ریٹائرڈ جنرل نے یہ کہا کہ میں نے اتنے وار کورسز کئے اور اتنی بٹالینز کو کمانڈ کیا۔ تو بھائی دنیا کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی سے غرض ہے لیکن اس سے ہر گز نہیں کہ ہماری فوج نے کہاں کہاں خدمات سر انجام دیں؟

"آدھا بھرا گلاس"

کالم میٹھا سچ 732 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 جنوری 2024ء

ہمارے ایک لنگوٹیے دوست فرماتے ہیں کہ جب بچپن میں 4 روپے کلو میں چھوٹا گوشت خریدنے والوں کو آج 2,200 روپے فی کلو خریدتے دیکھتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ہمارے پائین نے پندرہ کھانے پینے کی اشیاء کا ذکر بڑی تکلیف سے کیا ہے۔ ہم نے انہیں آدھا گلاس خالی کی بجائے آدھا بھرا ہوا دیکھنے کی دعوت دیتے ہوئے اپنے معاشی ڈھانچے کے اندر ہی رہتے ہوئے ہی عرض کی ہے کہ آپ نے سب درست لکھا ہے لیکن اگر خوش ہونا چاہیں تو خوش ہو بھی سکتے ہیں اگر ساٹھ کی دہائی اور آج کا موازنہ کر لیں صرف۔ مثلاً :

پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ میں دس بندوں کی پرورش کرنے والے گھر میں ہر ماہ دو سے بیس لاکھ روپے آتے ہوئے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

کرایے کے گھر سے اپنی متعدد کوٹھیوں سے کرایے ملتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

بھینگی سائیکل چلانے کے بدلے گیراج میں دو دو ڈرائیوروں سے پانچ پانچ گاڑیاں لگواتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

گرر گرد کرتے پانچ پنکھوں کی بجائے دس دس انورٹر اور کیبنٹ ائیر کنڈیشنر چلاتے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

سردیوں میں ایک انگیٹھی پر دس بیس ہاتھ سینکنے کی بجائے آرام دہ کمروں میں اکیلے اکیلے انورٹر اے سی کی گرم ہوا لے کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

ایک چارپائی پر دو دو بچے سو کر صبح بستر پر پیشاب نکلنے کی ایک دوسرے کی ذمہ داری لگانے کی بجائے آرام دہ الگ بیڈ روم کے اٹیچ باتھ استعمال کرتے ہوئے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

کھیتوں میں صبح شام یا چھتوں پر بے دروازہ لیٹرین میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اب ایگزاسٹ اور ائیر کنڈیشنڈ کی سہولت سے مزین خشک اٹیچڈ باتھ استعمال کرتے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

چوکی اور بینڈے پر بیٹھ کر بغیر باورچی خانے کے کھلے صحن میں لکڑی کی آگ پر کھانا بنانے اور دھوئیں سے بچتی ماؤں کی بجائے اب ماڈرن ماسیوں کو ککنگ رینج، اوون، فرتج، فریزر، ڈسپنسر، ایگزاسٹ فین اور ائیر کنڈیشنڈ سے مزین "کچن" میں کام کرتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

گھر کی خواتین کو پسینے سے شرابور سارا سارا دن "وہڑوں" یا کچے صحنوں پر جھاڑو پوچا کی بجائے اب ہاتھ میں موبائل پکڑ کر ناپختہ عمر کے بچوں پر تشدد آمیز حکم صادر کرتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

خود گوڈی کر کے صحن کی کیاریوں میں بوگن ویلیا اور گل ارہر کے پودے لگانے کی بجائے اب بارہ ہزار ماہانہ والے مالی کے ہاتھ سے گھر کے فرنٹ، سائیڈ اور پائیں لانز میں پام کے درخت، الٹے اشوکے، ست رنگے گلاب وغیرہ لگتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

دوسروں کے گھروں سے کرسیاں، میز یا صوفے کے علاوہ نمک مرچ اور پیاز وغیرہ ادھار منگوانے کی بجائے اب انٹر ووڈ فرنیچر کے چار چار سیٹ نیز جلال سنز اور الفتح سے روزانہ کی بنیاد پر گاڑی بھر کر گروسری لاتے دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

خط اور تار کے لئے پیدل دو چار کلو میٹر چلنے کی بجائے لیٹے لیٹے وٹس ایپ کرتے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

رشتے داروں کے پاس پیدل جا جا کر ملنے کی بجائے لیٹے لیٹے دو دو لاکھ کے موبائل پر وڈیو کالیں کرتے سے خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

ٹرانزسٹر پر لتا و مالا نیز رفیع و حبیب ولی محمد کے نغمے سن کر اب باون انچ کی سکرین پر شکیرا و شاہ رخ کے انگ انگ دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

ریڈیو پر مجاہد چشتی کی کرکٹ پر کمنٹری سے اب رونالڈو و میسی کو فیملی روم میں زندہ کھیلتے ہوئے بھی تو دیکھتے ہیں۔

میٹرک فیل والدین کی بجائے ایک ہی گھر میں ڈاکٹر، انجینئر، ایم بی اے اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے۔

باپ کو معمولی نوکری کرتے دیکھنے کی بجائے بچوں کو ڈپٹی کمشنر، کنسلٹنٹ، پروفیسر اور سیکرٹری وغیرہ دیکھ کر خوشی بھی تو ہوتی ہے

شاید آپ سمجھیں کہ میں اوپری دس فیصد طبقے کی داستان لکھ گیا ہوں؟ جی نہیں حضور یہ میرے آپ جیسے بیس فیصد اپر مڈل کلاس کی ہی کہانی ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں ملک میں پانچ فیصد امیر، پینتیس فیصد متوسط اور ساٹھ فیصد غریب ہوا کرتے تھے لیکن اب (2022ء) میں دس فیصد امیر، بیس فیصد اپر مڈل، تیس فیصد متوسط اور محض چالیس فیصد ہی غریب رہ گئے ہیں۔ اگر سسٹم ٹھیک رہتا تو ہمارے ہاں اب تیس فیصد امیر، ساٹھ فیصد متوسط ہو جاتے اور محض دس فیصد ہی غریب رہ جاتے۔

کیا یہ دیکھ کر خوشی نہیں منانی چاہئے؟ اگر پھر بھی نہیں تو پھر ہوسناک لالچی پیٹ قبر کی مٹی ہی سے بھر سکتا ہے۔

حوالے کے طور پر ورلڈ بنک کی مالی رپورٹ پاکستان برائے 2022ء دیکھنے کا بھی کہا ہے جو نیٹ پر موجود ہے۔

data.worldbank.org

"خمر یا شراب"

کالم میٹھا سچ 733 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 جنوری 2024ء

فیس بک کے ایک جنگجو نے پوچھا ہے کہ شراب اگر حرام ہے تو جنت میں دیئے جانے کی کیا وجہ ہے؟ ہمیں حیرانگی ہوئی کہ اب ہر ایک کے پاس گوگل موجود ہے تو وہاں سے علمی پیاس کیوں نہیں بجھائی جاتی؟ خیر عادت سے مجبور ہو کر ہم نے عرض کر دیا کہ جنت میں شراب طہور (پاک شراب) کا ذکر ہے جو دنیا میں بھی سرکے کی شکل میں حلال ہے۔

ایسیٹک ایسڈ اور پانی کا آمیزہ ہے۔ اور ایسیٹک ایسڈ یا الکوحل خمیر کے بعد بنتا (vinegar) سرکہ ہے جس میں بکٹیریا ایتھینول کو ایسیٹک ایسڈ میں بدلتے ہیں۔ سرکے میں الکوحل (شراب) کی موجودگی بے حد کم یعنی صفر فیصد کے قریب ہوتی ہے جس سے نشہ نہیں ہوتا مگر یہ معدے اور چھوٹی آنت میں موجود جراثیموں کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لہذا الکوحل کی غیر موجودگی کے باعث سرکہ حلال ہے۔

(liquor) کو عربی میں خمر کہتے ہیں جو ہر قسم کے نشے کو بھی کہتے ہیں جو کہ حرام کر دی گئی ہے۔ شراب

شراب میں موجود الکوحل کی مقداریوں ہے کہ بئیر میں پانچ فیصد تک، وائن میں تیرہ فیصد تک، رم میں چالیس فیصد تک، وہسکی میں پچاس فیصد تک، ووڈکا میں پچانوے فیصد تک جبکہ سپرٹ میں سو فیصد الکوحل ہوتی ہے۔ زیرو فیصد الکوحل سے اوپر ہر قطرہ جگر تباہ کر سکتا ہے لیکن قرآن میں ممانعت نشے کی وجہ سے ہے کیونکہ مرد کے حواس بے قابو ہو کر بہن بیٹی کی تمیز بھی نہیں رکھ سکتے۔

کچھ شرابیوں کا خیال ہے کہ انہیں ایک خاص مقدار میں شراب پینے سے نشہ نہیں ہوتا اور ان کے حواس بحال رہتے ہیں لیکن ان کا جگر پھر بھی برباد ہو جاتا ہے البتہ انہیں اس کا علم کافی دیر بعد ہوتا ہے۔

میری عرض ہے کہ کچے علمی سوالات کو بھی خوش آمدید کہنا چاہئے کیونکہ یہ دوسروں کے لئے بھی درست علم کا باعث بن جاتے ہیں لیکن بہر حال ترقی یافتہ دنیا میں ایسے سوالات نہیں پوچھے جاتے کیونکہ ان کی سائنسی جانکاری بچوں کو نصاب تعلیم میں مل جاتی ہے یا اماں گوگل ان کی مدد کر دیتی ہے

ھارون طاہر کہتے ہیں کہ انہیں پچاس فیصد والی وہسکی اور پچانوے فیصد والی ووڈکا مِل گئی ہے۔ اب آگے بتاؤ کیا کرنا ہے۔

ڈاکٹر

گٹر میں انڈیل دیں کیونکہ یہ پیشاب جیسی ہی مکروہات میں سے ہے۔

ہارون

جہالت سے بھرپور ذہن ایسی باتیں کرتا ہے۔ الکحول سے پاک اور صاف شے دُنیا میں کوئی نہیں جو ہزاروں سال بھی خراب نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر

ویسے ایک جاہل دماغ ہی دوسرے کو جہالت کا طعنہ دے سکتا ہے ورنہ عقل کی جھولی تو ایسے طعنوں سے خالی ہی رہتی ہے۔

"پرنسپل کنسلٹنٹ کی سالگرہ"

کالم میٹھا سچ 734 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 جنوری 2024ء

میاں وقار الاسلام کی اگلے روز راتیں نکال کر بیسویں سالگرہ تھی۔ ہم نے بھی بروقت مبارکباد بھیج دی تھی لیکن شاید سردی میں جم جانے کے باعث انہیں وصول نہیں ہو پائی۔ یہ دوسری مبارکباد ہم ہیٹر والے کمرے بیٹھ کر بھیج رہے ہیں تاکہ انہیں آج ہی مل جائے گی۔

اللہ میاں صاحب کی سن بلوغت کو تادیر قائم رکھے اور آپ گمنام شاعروں اور ادیبوں کے پھوکے کلام کو طشت از بام کرتے رہیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ کتابیں طبع کرنے پر اکساتے رہیں اور وہ شہرت کے بھوکے بیچارے بونے شاعر اور ادیب بھی کتابیں لکھواتے چلے جائیں اور سارا سرمایہ اور وقت ادھر ہی لگا دیں اور انہیں اپنی اردو انگریزی بہتر کرنے کا وقت ہی نہ ملے اور شومئ قسمت سے ملک بھر میں کوئی انہیں پڑھے بھی نہ۔

جیسے اللہ نے مرد کا گول مٹول سر بڑا خوبصورت بنایا ہے لیکن نظر بد سے بچانے کے لئے اکثریت کے سر بالوں سے ڈھک دیئے ہیں ایسے ہی آپ نے بھی اکثریت کے "دل موہ" لینے والے اردو کلام کو اپنے "لائف بیسٹ نوٹس" میں سمو کر انہیں نظر بد سے محفوظ کر لیا ہے نیز "اعلیٰ ترین ملفوظات حیات" کو انگریزی نام دے کر اردو کی بے حد خدمت کی ہے اور بعض حاسد یہ غلط کہتے ہیں کہ آپ نے اردو کا ستیاناس کرنے کے لئے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی ہے حالانکہ

آپ تو محض تنقید نگاروں سے اپنی انگریزی کی طاقت منوانا چاہتے تھے۔ اس کتاب میں میاں صاحب نے ایک ہزار مشاہیر کی بے شمار کتابیں جمع کر کے خود مرتب کی ہیں۔ اور یہ اعزاز بھی انہی کے کھاتے میں جاتا ہے کہ مذکورہ مصنفین اکثر اپنی ہی کتابیں انہی کے بک بینک سے مفت کیش کراتے رہتے ہیں۔ اب ملک بھر کی ادبی و تجارتی اداروں نے اپنی پچھلی سالانہ کانفرنس میں قرارداد منظور کی ہے کہ اگر اب بھی حکومت پاکستان نے ان کا نام نوبل پرائز کے لئے نہ بھیجا تو وہ آئندہ اس مطالبے سے مستقل دستبردار ہو جائیں گے۔

میاں صاحب ایک کثیر الجہتی اور متنوع شخصیت ہیں جنہوں نے بالی عمریا ہی میں ایسے ایسے کارنامے سرانجام دے دیئے ہیں کہ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کو پچھلے دس سال کی سر توڑ کوششوں کے باوجود پاکستان کی فلائیٹ نہیں مل رہی تا کہ وہ خود ننگی آنکھ سے اس نابغہ روزگار شخصیت کی زیارت کر کے اپنی اگلی تصنیف میں جگہ دے سکیں۔ آپ محض نو برس کی عمر سے اردو کے منجھے ہوئے شاعر ہیں اور یوں آپ نے حضرت علامہ اقبال کا بارہ برس کی عمر والا شاعری کا ریکارڈ توڑ رکھا ہے۔ اس پر علامہ صاحب اکثر اگلے جہان سے شکایت کرتے پائے گئے ہیں کہ جناب آپ ماہ و سال کی گنتی میں سے راتیں کیوں منہا کر دیتے ہیں؟ علاوہ ازیں آپ پانچ سو بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں کے اکیلے چیف کنسلٹنٹ ہیں جن کے آپ کو عدم الفرصتی کے باعث نام بھی یاد نہیں رہتے اور ان کارپوریشنز کو بھی یاد نہیں رہتا کہ اگلا عالمی اعزاز آپ کے نام ہی کر دیں۔

میاں صاحب ہیومن ریسورسز کے ماہرین کے بڑے ناموں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ ایک روز ہم نے اپنی اکلوتی کنسلٹنٹ کمپنی کی ناکامی کی وجوہات پر جب خوب غور کیا تو اپنی بے مائیگی اور نالائقی پر

افسوس کئے بنا نہ رہ سکے کیونکہ ہم میاں صاحب کے عطا کردہ ان ستر ملازمین کی بے قدری کرتے ہوئے انہیں باری باری کمپنی سے فارغ نہ کر چکے ہوتے تو آج دیوالیہ ہونے کے باعث پابند سلاسل ہوتے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ اگر میاں صاحب نے ہمیں وہ نادر روزگار ملازمین متعارف نہ کروائے ہوتے تو ہماری کمپنی پیدائش کے فوراً بعد عالم شیر خوارگی ہی میں عدم سدھار چکی ہوتی۔

ہم نے پچھلی صدی سے تاحال حقیقت میں طبعزاد لاکھوں صحیفے لکھ کر صفحے سیاہ کر رکھے تھے جن کے چیتھڑے ادھر ادھر فضاؤں میں لال دوپٹے کی طرح اڑتے پھرتے رہتے تھے اور سوشل میڈیا پر بھی اس صدی میں بور پوسٹوں کی شکل میں پھڑ پھڑاتے رہتے تھے لیکن اگر میاں صاحب انہیں جمع کرنے کا خیال نہ بخشتے اور مدد نہ فرماتے تو وہ کبھی بھی دو درجن بیکار کتب کی شکل میں اکٹھے ہو کر چغتائی لائبریری کی زینت نہ بنتے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انہی ملفوظات کی وجہ سے ہمارا نام بھی "بیسٹ لائف نوٹس" میں شمار ہو کر صرف ہم دونوں کے علم میں آگیا ہے ورنہ انہیں ہم خود بھی نہ جانتے ہوتے۔

ہم بار بار میاں صاحب لکھ رہے ہیں تو کہیں قارئین کا دھیان میاں نواز شریف کی جانب نہ چلا جائے اس لئے اب ہم میاں وقار ہی لکھیں گے تاکہ ملک کے چوتھی بار وزیر اعظم بننے والے نواز شریف ہماری مدح سرائی کو 8 فروری کو نہ ہونے والے انتخابی ڈرامے میں ناجائز استعمال نہ کر سکیں۔ اور یوں چین ہم سے ناراض ہو کر ہمیں ویزا دینے سے انکار نہ کر دے کہ گوادر کے ہیرو میاں وقار کی کاوشیں نواز شریف خوامخواہ میں اپنے کھاتے میں ڈال رہا ہے جس کا کارن ہم ہیں۔ تو

بھائیو اور بہنو ہم جیسے باتونی افلاطون کے زبانی جمع خرچ کا شکار ہو کر آپ انتہائی عملی انسان میاں وقار صاحب کو ان کی سالگرہ پر پیغام تہنیت بھیجنا نہ بھولئے لیکن ہمارا حاسدانہ خیال ہے کہ اگر آپ بھول بھی گئے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ میاں وقار صاحب اس سے قبل کی لاکھوں مبارکبادوں ہی کو سنبھال نہیں پا رہے اور آپ کی اس خاموشی کا ان کو پتا بھی نہیں چلنا۔

"ہم اور بنگلہ دیش"

کالم میٹھا سچ 735 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 جنوری 2024ء

پاکستان کی پسماندگی امریکہ بہادر کے مفاد میں ہے اور پھر جہالت کو سازشوں کے ذریعے 76 برس سے نچلی سطح پر ٹرکل ڈاؤن کیا جاتا رہا ہے جس کی حالیہ قسط عوام نے رجیم چینج آپریشن میں بھی دیکھ لی ہے اور سمجھنے والے سمجھ گئے ہیں کہ اس صدی میں بھی شاید ہی پاکستان ترقی کر پائے۔

میری نسل کے پاکستانیوں نے چونکہ ڈھاکہ ڈوبتے بھی دیکھ رکھا ہے اس لئے میری سوچ کے مطابق بنگالی سیاسی شعور میں مغربی پاکستان سے کافی آگے ہونے کے باعث امریکی آقا کے پنجہ استبداد میں پھنسنے میں خاصی بڑی رکاوٹ بن رہے تھے اس لئے برصغیر کو امریکی رسوخ میں رکھنے کے لئے اسلام کا نام استعمال کیا گیا اور اپنے انگوٹھے تلے رکھنے کے لئے علیحدہ وطن کے منصوبہ سازوں نے ابتدا ہی سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے جغرافیائی طور ایک ہزار میل دور رکھا اور موقع ملتے ہی دونوں مسلم ریاستوں کو الگ الگ اسلامی ٹچ دے کر دو وطن دے دیئے اور یوں دو قومی نظریئے کو بھی بقول اندرا گاندھی بحر ہند میں غرق کر دیا۔

میں ملازمت کا 1993ء تا 1997ء کے ساڑھے چار سالہ دور میں موقع ملا تو میں نے ٹھنڈے دماغ پھر مجھے جب بلوچستان کی دیہی معاونت کے ادارے BRSP سے بنگالی اکانومسٹ

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر یونس کے قریبی ساتھی ڈاکٹر مرتضٰی کو بطور مشیر لئے جانے کی حکمت پر غور کیا اور محسوس کیا کہ عالمی پیرس کنسورشیم نے جرمن پروگرام کے جھنڈے تلے کسی بہت گہری حکمت عملی کے تحت پس ماندہ بلوچستان کے غریب عوام خصوصاً عورتوں کو گرامین بنک بنگلہ دیش کی طرز پر معاشی شعور بخشنے کے لئے رورل فنانسنگ جیسے خصوصی پروگرام کیوں شروع کر رکھے تھے۔

غالباً 1994ء میں ہم چند پروفیشنلز کی کراچی کے اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کے اختر حمید خان کے دفتر میں بنگالی ڈاکٹر یونس سے ملاقات بھی ہوئی۔ اختر حمید کبھی کومیلا بنگلہ دیش میں ڈپٹی کمشنر بھی رہ چکے تھے۔ اس میٹنگ میں بابائے رورل ڈیویلپمنٹ اختر حمید خان، ڈاکٹر یونس اور ڈاکٹر مرتضٰی کے دماغوں میں مشترک چیز پنجابی سے نفرت محسوس کی گئی۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ قاضی فائز عیسٰی کے بڑے بھائی قاضی عظمت عیسٰی پر کرپشن کے الزامات سے مذکورہ دیہی ترقی کا پروگرام ہی فیل ہو گیا ورنہ آج تک شاید بلوچستان کی بھی پاکستان سے علیحدگی ہو چکی ہوتی۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گرامین بنک نے گراس روٹ کی سطح پر دیہاتیوں خصوصاً عورتوں کو کام پر لگایا اور اپنے روزگار کے حصول کا سبق دیا جو بعد ازاں آغا خان فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایشیا کے 37 ممالک میں بھی دہرایا گیا اور اسی بنیاد پر ڈاکٹر یونس نوبل پرائز جیتے۔ اس بنیادی ترقی کے ذریعے بنگالی خواتین نے غربت سے نجات حاصل کی جس کی ابتدا غالباً پچاس برس پہلے ہوئی۔

لیکن ادھر سندھ میں بھٹو کو اچانک زندہ کر کے دیہی علاقوں کے فنڈز بھی کراچی حیدرآباد منتقل ہوتے رہے لیکن ہم جاہل عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے بینظیر کے نام سے خیراتی پروگرام آج بھی جاری ہیں جو کبھی بھی سندھ کے دیہی علاقوں میں معاشی ترقی کا باعث نہیں بن سکتے۔

یہی دونوں ممالک کی ترجیحات میں فرق ہے۔

"ٹرپل اے سے چھوٹے افسر"

کالم میٹھا سچ 736 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 جنوری 2024ء

ایم ڈی سوئی گیس کو بہت بھاری رقم ہر ماہ تنخواہ کی مد میں دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ گیس عوام کی پہنچ سے دور رکھے۔ اور گیس کا پائپ حکمرانوں کی ناسوں میں دیے رکھے۔

ڈاکٹر

گیس کی کمی تو اس لئے ہے کہ 1952ء میں دریافت شدہ گیس کے ذخائر کا تخمینہ ہی 2020ء تک تھا۔ پھر زیادہ تکڑے امریکی ایجنٹ ایران کے شہنشاہ نے ہماری طرف والے کمزور ایجنٹ کو دبا کر نا صرف بلوچستان سے تیل گیس نہ نکلنے دیا بلکہ ایوب خان سے اس نے ایک ہزار مربع کلو میٹر کا ملحقہ سرحدی علاقہ بھی خرید لیا جو آج تک ایران کے تیل کے ذخائر کا اہم علاقہ ہے۔

گیس کے محکمے کے انچارج جیسے تمام افسران کی 28، 28 لاکھ تنخواہ ان کے اس اکاؤنٹ کی زینت بنتی ہے جس سے وہ کچھ نکلوانا پسند نہیں کرتے اور اپنی شاہانہ زندگی اسی محکمے میں کرپشن کر کے گزارتے ہیں۔

جب میری سرکاری تنخواہ باون ہزار روپے ماہانہ ہوتی تھی تب میرے سب سے ایماندار اور شریف النفس بیوروکریٹ باس کی ڈھائی لاکھ تھی لیکن جمخانہ کلب میں وہ ہر ہفتے ساٹھ ستر ہزار کا رشوتی

کھانا دیگر حکومتی افسران کو کھلایا کرتے تھے۔ جی او آر میں مفت رہائش، پٹرول، ڈرائیور اور مینٹیننس سمیت چار سرکاری گاڑیاں، دو مالی، دو گارڈ اور دو باورچی بھی سرکاری خرچے پر ہوتے تھے۔ ان کے دور و نزدیک کے رشتہ داروں کے سبھی سرکاری و نجی کاموں کے اخراجات محکمے کے وہ ڈائریکٹر، ڈی جی اور عام افسر اٹھایا کرتے تھے جن کو پرموشنز وغیرہ کا لالچ ہوتا تھا۔ ہر پانچ سال بعد سرکاری عمرہ بونس کے طور پر ہوتا تھا تاکہ ضمیر کو بھی مطمئن رکھا جاسکے۔ ان کو میسر سبھی مفت سہولیات پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

"جعلی جمہوریت"

کالم میٹھا سچ 737 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 23 جنوری 2024ء

توبہ کریں بی بی سی چینل ووٹر کو جو مشورے دے رہا ہے اس کے ایک فیصد پر بھی ہمارے ہاں کوئی عمل کرتا ہو گا۔ کیونکہ ہمارے ووٹرز کی اکثریت کسی نہ کسی دباؤ میں آکر ووٹ دیتی ہے لیکن پڑھا لکھا طبقہ اب یقین کرنے لگ گیا ہے کہ ہمارے چناؤ محض قرض حاصل کرنے والے عالمی ڈونر ممالک کو اپنا جمہوری چہرہ دکھانے کے لئے ڈھونگ کے طور پر رچائے جاتے ہیں ورنہ پس منظر میں نتائج تو انتخابات سے بہت پہلے سے مرتب ہو چکے ہوتے ہیں۔

میں یورپ کے ایک قدرے غریب مگر مہذب ملک پولینڈ میں برسوں رہا ہوں جس کی 1978ء سے لے کر آج تک شرح خواندگی 99.8٪ ہے۔ سنٹرل یورپ کے اس ملک پر کبھی روسی استبداد کا شکنجہ تھا لیکن اس چنگل سے نکلتے ہی انہوں نے جو جمہوری چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا وہ قابل ستائش تھا گو کہ پاکستان کے لئے کوئی بھی اچھی مثال قابل تقلید نہیں ہوتی۔ ہمارے وطن کا ذرا پولینڈ سے موازنہ تو ملاحظہ کریں جو کہ ہاتھی اور چیونٹی جیسا لگتا ہے:

۔وہاں جس حلقے میں پچاس فیصد سے کم ووٹ پڑیں اس میں دوبارہ پولنگ کرائی جاتی ہے ورنہ وہاں کا انتخاب مسترد کر کے عوام کو بتایا جاتا ہے کہ آپ کی آواز اب اسمبلی تک نہیں پہنچ پائے گی۔ غور

فرمائیں کہ ہمارے ہاں سینٹ جیسے ایوان میں بھی سو میں سے چودہ ارکان کوئی بھی قرار داد منظور کر
1. کے حکومت سے عمل کرا سکتے ہیں۔

۔پولینڈ کا پہلا صدر لیخ ووینسا مزدور یونین کا الیکٹریشن تھا (جسے یہاں لیچ ولیسا پڑھا جاتا ہے)۔ امریکہ کا 17 واں صدر بھیڑیں پالنے والا کسان، بھارت کا پندرہ برس سے وزیر اعظم چائے بیچنے والا "چھوٹا" اور ایران کے صدر احمدی نژاد کے پاس اپنی گاڑی نہیں، جرمنی کی چانسلر انجیلا مرکل کے اپنے دو کمرے کے فلیٹ میں ملازم بھی نہیں تھا، وغیرہ۔ ہمارے ہاں اسٹیبلشمنٹ جس کو بھی نمائشی
2. حاکم کے طور پر چنتی ہے وہ کم و بیش ارب پتی ہوتا ہے۔

۔پولینڈ میں ہر امیدوار انتخابی مہم میں صرف اپنی ذاتی آمدن کے مطابق خرچہ کر سکتا تھا جس پر اس نے ٹیکس ادا کیا ہو اور کسی ادارے یا تنظیم سے چندہ نہیں لے سکتا۔ جبکہ ہمارے ہاں بلدیاتی سطح سے لے کر سینٹ تک صرف بلیک کا کاروبار کرنے والے اسمبلی میں جاتے ہیں اور ٹیکس کی کوئی پرواہ
3. نہیں اور نہ آمدنی سے زائد اثاثے بنانے کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

۔وہاں اگر کسی کو عدالت نے مجرم ثابت کیا ہو تو وہ امیدوار نہیں بن سکتا جبکہ ہمارے ہاں آدھے سے زائد اسمبلی باقاعدہ سزا یافتہ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے یا تقریباً سب کے سب اخلاقی ملزم تو لازماً
4. ہوتے ہیں۔

۔پولینڈ میں ہر چھوٹے بڑے امیدوار کے لئے گریجویٹ ہونے کی بنیادی شرط پوری کرنا لازم ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ شرط موجود ہے لیکن جعلی ڈگری اور مدرسے کے حفظ کو بھی مان لیا جاتا ہے۔

5.

۔پولینڈ میں سرعام انتخابی جلسہ کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ صرف ہال ہی میں کیا جا سکتا ہے جس میں بینر تک نہیں لگائے جا سکتے اور نہ وال چاکنگ یا میڈیا میں اختیار دیا جا سکتا ہے۔ ہم اقبال پارک لاہور، مزار قائد کراچی، لیاقت باغ پنڈی اور ڈی چوک اسلام آباد وغیرہ سے نیچے بات ہی نہیں کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ 1989ء کے ان کے وزیر اعظم کے پہلے انتخابات میں ہم چند دوست وارسا یونیورسٹی سے نکل رہے تھے تو دو گاڑیاں ہمارے پاس سے گزر کر مین ہال کی پارکنگ میں رک گئیں۔ ایک میں تین اور دوسری میں چار لوگ تھے۔ ہم بھی ہال میں چلے گئے تو وہاں کا مقامی امیدوار سٹیج پر بیٹھ گیا اور تقریر کرنے کی بجائے مقامی لوگوں کے سوالات کا جواب دینے لگ گیا جس میں پارٹی منشور سے لے کر مستقبل کے عالمی تعلقات پر سوال بھی شامل تھے۔ وہی شخص بعد

6. میں ملک کا وزیر اعظم چنا گیا یعنی مازووسکی۔

۔اسمبلی جا کر پارٹی بدلنے والے کو اسمبلی کی نشست خالی کر کے دوبارہ منتخب ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں خاندان کے خاندان اسمبلی میں رہتے ہیں چاہے ملک میں کتنی بھی سیاسی پارٹیاں حکومت میں

7. آتی جاتی رہیں۔

طوالت سے بچنے کے لئے فی الحال اتنا تقابل ہی کافی ہے جو ایک عام آدمی کو بھی سمجھانے کے لئے کافی ہو گا۔ اب شاید آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہمارے ہاں حکمران تعلیم کو چالیس فیصد سے بڑھنے کیوں نہیں دیتا۔

"اشتہار برائے ضرورت ادبی استاد"

کالم میٹھا سچ 738 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 جنوری 2024ء

ہم نے سوچا ہے کہ اپنی چالیس سالہ ادبی حرکات کو قید کتابت میں لا کر پی ڈی ایف بنوالوں تا کہ پچیس کروڑ میں سے کوئی سے دو چار صاحبان جو کبھی کبھی نہ پڑھنے مگر محض ہماری دلجوئی کی خاطر ہماری کتابوں کی فرمائش کرتے رہتے ہیں انہیں موقع دوں کہ وہ بھی موبائل فون پر اپنا وقت ضائع کرتے پھریں۔ اس غرض سے ہم نے اپنے مددگار دوست میاں وقار الاسلام صاحب کو ایک عرضداشت بھیجی ہے کی ایسا کوئی نسلی ادب استاد ہمیں عنایت کر دیں تا کہ سب سے پہلے ہم اپنا وہ بے ڈھنگا شاعرانہ کلام درستگی سے کتابی شکل میں لے آئیں جس سے کسی طیبانہ جذبے کے تحت ہم نے لگ بھگ چھیالیس برس قبل اپنی تین عدد ڈائریوں کے صفحات کالے کئے تھے۔

میاں صاحب کوئی عروض میں تاک استاد قسم کا شاعری میں مفت اصلاح دینے والا مسکین اور فارغ الوقت شاعر بتائیں جو ہماری بے وزن مرغیانہ شاعری کے آلودہ انڈے صاف کر کے چمکا سکے۔

اگر پچھلا بھی کلام چمکا کے خوبصورتی سے ٹرے میں سجادے۔ تو کیا کہنے۔ ہم جونہی شاعرانہ آملیٹ یا انڈوں کا حلوہ بنائیں گے اسی کے نام کر دیں گے۔

مطلوبہ استاد کو میری شاعری چوری کرنے کا بھی کھلا لائسنس تحفتاً عطا کر دیا جائے گا۔

اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ایسے فارغ البال شاعر کو ایک خصوصی خفیہ خزانے کا راز بھی بتا دیں گے جس میں زر و جواہر کی بجائے اچھا مشاہرہ اور مشاعرہ موجود ہو گا۔ اگر حسین و جمیل کنواری شاعرہ مل گئی تو اسے زندگی کے دکھوں سے نجات دلانے کی خاطر تنہا رہنا سکھا دیں گے اور نان نفقہ بیکار مشوروں کی صورت میں عطا کریں گے۔ نیز اس مہیلا کے نام میں اپنی ساری جائیداد لگا دوں گا جسے بنانے کی میں خود بھی کوشش کر رہا ہوں ابھی۔

مطلوبہ استاد کو ایسے گمنام شاعروں کے ٹھرکیانہ و مجبورانہ کلام کو چوری کرنے میں ید طولی حاصل ہونا چاہئے جو کلام چھپوائے بغیر وفات پا چکے ہوں۔

نیز مطلوبہ امیدوار کو کمپیوٹر چلانے میں اتنی مہارت ہونا لازمی ہے جو کہ چیٹ جی پی ٹی فور سے روزانہ کی بنیاد پر آئیڈیاز مسروقہ خام مال کی طرح سے حاصل کر کے وافر مقدار میں شاعری بنوانے میں مدد دے سکے۔

امیدوار استادی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے سابقہ تجربہ کو مثالوں سے واضح کرے کہ کس کس کو مطلوبہ خدمت فراہم کر چکا ہے تا کہ ان کے متاثرین کی حالت زار سے امیدوار کی مہارت اور مہورت کا پتا چل سکے۔

امیدوار کی اردو عبارت میں مہارت کی شرط لازم نہیں ہے وہ بھلے سے زض نیز ک ق میں فرق نہ بھی جانتا ہوں لیکن کتابوں پر کتابیں لکھنا لازماً جانتا ہو۔

امیدوار کو اپنی سرگزشت حیات کو یونی کوڈ سے ان پیج یا ورڈ میں بدل کر پلک جھپکنے میں کتابی شکل دینے میں بھی ید طولیٰ حاصل ہونا چاہئے۔

اگر ایسے ہیرو یا ہیروئن سے جلد ہی تعارف کرا دیں تو آپ کا بے حد شکریہ۔

"تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں"

کالم میٹھا سچ 739 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 26 جنوری 2024ء

یاد رکھو کہ تمہارا اپنا کچھ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نقصان تمہارا اپنا ہے۔

اگر تم نے زمین خرید لی یا گھر لے لیا تو یہ تو تم نے اتنے وقت کا کرایہ ادا کر دیا جتنی دیر تم دنیا میں رہے یا اس گھر میں رہے۔ یہ دونوں تمہارے نہیں ہیں۔

اگر تم نے بائیک، کار یا جہاز خرید لیا تو یہ تو تم نے اس سواری کا کرایہ ادا کر دیا جتنی دیر تک سفر میں وہ تمہارے ساتھ ہے یا تم اس کے ساتھ ہو۔ اس کا تعلق تو تم سے نہ ہوا۔

اگر آپ نے شادی کر لی تو یہ تو اس ساتھ نباہنے کی ضرورت تھی جب تک تم میں سے کوئی بچھڑ نہیں جاتا یا کسی کی موت واقع نہیں ہو جاتی۔ کوئی بھی ایک دوسرے کی ملکیت میں نہ تھا۔

اگر تم نے بچے پیدا کر لئے تو یہ تو تمہاری ہی سوچ تھی کہ تم وراثت جاری رکھنا چاہتے تھے تو یہ سب کچھ تب تک ہی ہے ناں جب تک تمہیں موت نہیں آ پکڑتی۔ تم سب کا آپس میں کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔ تبھی تو معاشرہ تمہیں سکھاتا ہے کہ بچوں کو پالنا کیسے ہے۔

اگر تمہارے پاس دولت ہے تو یہ اس ضرورت کی قیمت ہی ادا کر سکتی ہے جو تم چاہتے ہو۔ سارے نوٹ تو مرکزی بنک کی ملکیت ہوتے ہیں۔

اگر تم کاروبار یا نوکری کرتے ہو تو ایک دن تمہیں ریٹائر کر دیا جاتا ہے اور ایک معمولی سی رقم تمہیں پنشن کی شکل میں زندہ رہنے کے لئے دے دی جاتی ہے۔ جونہی تم اس جہان سے گئے پنشن بھی بند۔

جو تم کھاتے ہو اور خوب پیٹ بھرتے ہو وہ تم بول و براز کی شکل میں زمین کو واپس کر دیتے ہو۔ وہ کھانا بھی تمہارا نہ ہوا۔

حتیٰ کہ وہ والا جسم بھی تمہارا نہیں جسے تم سجا بنا کے رکھتے ہو کیونکہ یہ زمین کا تم پر ادھار ہے جو تم نے ایک دن اسے قرضہ واپس لے لے گی۔

یہ زندگی بھی تم نے ادھار لے رکھی ہے اور یقیناً ایک دن تمہیں یہ ادھار واپس کرنا ہی ہے۔

تو آؤ پھر کسی بھی ایسی چیز کا غم نہ کریں جو زندگی میں ہم سے چھن گئی ہو کیونکہ ہماری اپنی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔

یہی حق سچ ہے لیکن ہم خوش فہمیوں میں زندگی گزار دیتے ہیں۔

"دعا کی قبولیت کا تعلق"

کالم میٹھا سچ 740 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور،

؟دعا کی قبولیت یا عدم قبولیت کا تعلق چانس یا فیصد سے ہے؟ یا حلال حرام رزق سے؟

"بٹوارے کی غلطی"

کالم میٹھا سچ 741 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 27 جنوری 2024ء

فیس بک کے ایک "دانشور" دوست لکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے 21 کروڑ کے ساتھ 24 پاکستان اور 17 بنگلہ دیش کے ٹوٹل 62 کروڑ مسلمان اکٹھے ہوتے تو آج انڈیا میں بھی حالات مختلف ہوتے اور پاکستان اور بنگلہ دیش بھی چھوٹی چھوٹی چراگاہیں نہ بنتی۔ ویسے بھی زیادہ تر مقامی لوگ اب بھی برطانیہ ہی شفٹ ہو چکے یا ہو جانا چاہتے ہیں۔ تو کیا فائدہ تھا اتنے بندے مروانے کا ملک بانٹنے کا۔ برطانیہ نے ویسے بھی ہم سے جان چھڑوالینی تھی جیسے 1971 میں یو اے ای سے چھڑوائی تھی۔ تو کیا ہی اچھا ہوتا ہم ایک اچھے بڑے دیس کے باسی ہوتے۔

حسب عادت ہم سے رہا نہیں گیا تو ہم نے پہلے تو سوچا کہ اتنے بے عقل اور لاعلم بندے کو نظر انداز کر دیں لیکن پھر اس خوف سے کہ مبادہ فیس بکی کچی عقل کے صارفین کہیں مزید ہمت نہ پکڑ جائیں اور ان احمقانہ خیالات سے متفق ہی نہ ہو جائیں کہیں تو جواب دینا ضروری سمجھا۔ عرض کیا کہ بھائی میں یہ تو نہیں کہتا کہ پھر میں اور آپ ہندوؤں کی گئوماتا کا گوبر تھاپ کر اُپلے دیواروں پر لگا رہے ہوتے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ترقی کا سفر پیچھے جانے کی بجائے اگلی جانب جانے میں مضمر ہے۔

تاریخ انسانی کا اگر ہم وسعت قلبی اور بغیر ذاتی لالچ سے مطالعہ کریں تو انسان نے ہمیشہ آگے کی جانب سفر کیا ہے۔ حال سے ماضی کی جانب سفر کریں تو ازمنہ قدیم میں انسان ممالک میں بھی تقسیم نہ تھے۔ پھر انہوں نے اپنی سماجی ضروریات کے لئے سلطنتیں قائم کر لیں۔ پھر اپنی جبلتوں کی بجا آوری کے لئے سلطنتیں ممالک میں تقسیم ہو گئیں اور آہستہ آہستہ تہذیب اور انصاف کے جلد حصول کے لئے مزید تقسیم ہوتے ہوتے آج کے دن کی شکل میں ظاہر ہو گئیں۔

آپ کسی وسیع مطالعے کی بغیر اور سیاسی دانشوری سے ہٹ کر خالص علمی نکتہ نگاہ سے سماجی بشریات (سوشل انتھروپولوجی) اور عمرانیات (سوشیالوجی) کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو آپ کو تقسیم ہند منطقی نظر آئے گی بلکہ اگر آپ کی نظر سو دو سو برس آگے والے مستقبل بعید تک جا سکے تو آپ کو دنیا کے کم و بیش تمام موجودہ ممالک مزید چھوٹی ریاستوں میں بٹے نظر آئیں گے۔

اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ مچھلی کی طرح تاریخ کے بہاؤ کے الٹ سفر کریں اور دوبارہ جنگل کی جانب ہجرت کرنے کی کوشش میں برباد ہو جائیں یا ترقی کے سفر پر اگلی جانب رواں دواں رہ کر شخصی قوت، انسانی ترقی اور بشری حقوق حاصل کر لیں۔ یقیناً الٹے سفر میں ذاتی سیاسی مفادات کے عوض چند سکے تو آپ کی جانب لڑھکا دیئے جائیں گے لیکن آپ کو انسانی اور نفسیاتی عظمت اور قوت آگے کی جانب سفر ہی میں ملے گی۔

ڈاکٹر سلطان محمود

"حجامہ کیا ہے"

کالم میٹھا سچ 742 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 27 جنوری 2024ء

حجامہ یا کپنگ تھراپی ایک قدیم طریقہ ہے اور فی الحال طب میں ایک وسیع تناظر کی بیماریوں کے علاج میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود حجامہ کے عمل کا طریقہ کار پوری طرح سے سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ اس جائزے کا مقصد جدید طب کے نقطہ نظر سے حجامہ کے ممکنہ طریقہ کار کی نشاندہی کرنا اور اس کے اثرات کی ممکنہ وضاحت پیش کرنا ہے۔

جدید امریکی سائنسی جرائد (پب مڈ، کوچرین لائبریری اور گوگل سکالر) میں انگریزی ادب کو کلیدی الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے تلاش کیا گیا۔ صرف 223 مضامین کی نشاندہی کی گئی، 149 ریکارڈز کی اسکریننگ کی گئی، اور 74 مضامین کو غیر متعلقہ ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا گیا۔ اہلیت کے لیے صرف 75 مکمل متن والے مضامین کا جائزہ لیا تجویز کیے گئے ہیں۔ درد میں کمی اور جلد کی بایو مکینیکل خصوصیات میں تبدیلی کی وضاحت "پین گیٹ تھیوری"، ڈفیوزنا کشس انہبیٹری کنٹرولز اور ریفلیکس زون تھیوریز کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔ پٹھوں میں نرمی، مقامی بافتوں کے ڈھانچے میں تبدیلی اور خون کی گردش میں اضافے کی وضاحت "نائٹرک آکسائیڈ تھیوری" سے کی جا سکتی ہے۔ امیونولوجیکل اثرات اور ہارمونل ایڈجسٹمنٹ کو "مدافعتی نظام کے نظریہ کی ایکٹیویشن" سے

منسوب کیا جاسکتا ہے۔ زہریلے مادوں کے اخراج اور فضلہ اور بھاری دھاتوں کے اخراج کی وضاحت "بلڈ ڈیٹو کیسیفیکیشن تھیوری" سے کی جاسکتی ہے۔ مخصوص بیماریوں اور بیماریوں میں مختلف علاج کے اثرات پیدا کرنے کے لیے یہ نظریات اوور لیپ ہوسکتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ کام کرسکتے ہیں۔ بظاہر، سنگی کے پورے اثرات کی وضاحت کے لیے کوئی ایک نظریہ موجود نہیں ہے۔ مذکورہ نظریات کی تائید یا تردید کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہے، اور مستقبل میں حجامہ کے جدید تصورات کو بھی تیار کرنا ہے۔

یہ ایک قدیم چینی تاؤسٹ طبی عمل تھا جسے شاہی چین کی عدالتوں میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی انتظامیہ کو پہلی بار جی ہانگ نے ایک قدیم مضمون میں دستاویز کیا تھا جسے ہینڈ بک آف نسخہ جات برائے ہنگامی حالات کہا جاتا ہے۔ جی ہانگ ایک مشق کرنے والا تاؤسٹ، ایک کیمیا دان اور دواؤں کی جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا۔

متبادل ادویات کے ناقدین نے کپنگ تھراپی کے خلاف بات کی ہے۔ ہیریئٹ ہال اور مارک کرسلیپ نے کپنگ کو "سیوڈوسائنس "یعنی جھوٹی سائنس" شخصی جنون"، اور "جبرش" کے طور پر نمایاں کیا ہے اور مشاہدہ کیا ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ کپنگ پلیسبو سے بہتر کام کرتی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ کپنگ تھراپی تناؤ والے حصے میں خون کے بہاؤ کو بڑھا کر کام کرتی ہے، جو سوزش کو کم کرنے، گردش کو بہتر بنانے اور درد کو دور کرنے میں مدد کرسکتی ہے۔ یہ بھی سوچا جاتا

ہے کہ یہ لیمفاٹک سیال یا خون کے بہاؤ کو تیز کرنے میں مدد کرتا ہے، جو جسم سے زہریلے مادوں کو نکالنے میں مدد کر سکتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالی پیٹ حجامہ کرنا افضل ہے۔ اس میں شفا اور برکت ہے۔" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے (اسلامی، قمری مہینے) کی 17، 19 یا 21 تاریخ کو حجامہ کیا تو یہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

اس کے علاوہ، کسی بھی قسم کا حجامہ ان لوگوں کے لیے مانع ہے جو پچھلے 6 مہینوں میں دل کا دورہ پڑ چکے ہیں۔ گیلے حجامے ہیموفیلیا یا انتہائی خون کی کمی میں مبتلا لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ بڑی رگوں جیسے ویریکوز رگوں پر گیلے حجامے لگانے سے گریز کریں۔

عام طور پر نکالے گئے خون اور سیال کی مقدار 1-5 ڈی ایل ہے

جب جدید سائنسی کنٹرول شدہ مطالعات میں تجربہ کیا جاتا ہے، تو حجامہ کام نہیں کرتا۔ درحقیقت، تمام متبادل علاج ایک سپیکٹرم پر موجود ہیں، کچھ قابلیت کے ساتھ علاج سے لے کر سائنسی جھوٹ تک۔ اور کینگ جیسی مداخلتیں، جو اپنے مضبوط طریقہ کار کو پورا کیے بغیر سائنس کا روپ دھارتی ہیں، کو جھوٹی سائنس کے نام سے جانا جاتا ہے۔

دیگر خیالات

"ٹی وی سے بد ظنی"

کالم میٹھا سچ 743 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 28 جنوری 2024ء

ہمارے گھر 1974ء میں ٹی وی آیا تو ہم نے شام کے اوقات میں گھر میں ٹکے رہنا شروع کیا۔ مگر جلد ہی مجھے اس تصویروں والے ڈبے سے بد ظنی شروع ہو گئی کیونکہ میری پڑھائی کا تسلسل سے نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ نشریات رات گئے بند ہونے کے بعد پڑھائی کرنے کے سبب رات دیر تک جاگنے کی عادت پڑ گئی جو صبح ساڑھے سات بجے سکول پہنچنے میں تکلیف دینے لگ گئی لہٰذا نتیجہ چڑچڑے پن اور ایف ایس سی میں کم نمبروں جیسا نکلا اور مجھے تعلیم جاری رکھنے کی خاطر کوئٹہ میں کم میرٹ کے سبب ایم بی بی ایس میں داخلہ مل گیا۔ جہاں سے بلوچی تعصب کے باعث سیکنڈ پروفیشنل ہی میں بولان میڈیکل کالج چھوڑ کر لائلپور میں ارشد مرحوم کی مدد سے زرعی یونیورسٹی میں کلیہ پرورش حیوانات میں 1976ء میں داخلہ لینا پڑا۔ داخلہ تو ہو گیا لیکن دو سال کے وقفے کی کافی سزا بھگتنی پڑی بلکہ ہم عمروں سے پیچھے رہنے پر ہمیشہ مجبور رہا۔ وہ تو خوش قسمتی سے والدین نے روزگار پر کھڑے ہونے پر زیادہ زور نہ ڈالا ورنہ آج کسی فیکٹری میں الیکٹریشن ٹائپ مزدوری کر رہا ہوتا۔ ٹی وی سے بد ظنی کی دوسری وجہ بزرگوں و دیگر رشتہ داروں کی اس میں

کھوئے رہنے سے میری جانب عدم توجہی بھی تھی جس کے باعث میں نے بہت سے گھروں میں آنا جانا چھوڑ دیا ہوا ہے۔

تمہید طولانی سے بچتے ہوئے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ نوے کی دھائی یورپ جاتے ہی بچوں کی وجہ سے پانچ برس بے دلی سے ٹی وی دیکھا لیکن خال خال دیکھنے کے باوجود اک بد ظنی بلکہ نفرت تک کی وجہ وہی ٹی وی کے ابتدائی ایام کا یادداشت میں پیوست رہنا ٹھہرا۔ 1992ء میں پاکستان واپس آکر کوئٹہ جانا پڑا تو ہم جان بوجھ کر اپنا ٹی وی لاہور چھوڑ گئے۔ لیکن جونہی بچوں نے نچلی منزل میں مالک مکان کے گھر جانا شروع کر دیا تو مجبوراً پھر سے ٹی وی خریدنا پڑا اور پھر اگلے پانچ برس میں پچاس چینل ہونے کے باوجود نشریات دل میں جگہ نہ بنا سکیں۔

میں لاہور واپسی پر ہم دونوں میاں بیوی نے پہلا کام ہی یہ کیا کہ ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا۔ گو کہ 1997 بچوں نے دیکھنا جاری رکھا لیکن بالآخر دونوں ٹی وی مستحقین کو تحفتاً دے دیئے۔ پچھلے 27 برس سے ٹی وی سے منہ موڑنے کے بیشمار فوائد کے ساتھ ساتھ کچھ نقصان بھی ہوا اور وہ یہ کہ بچوں کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ اور موبائل آنے سے فیملی کی مرکزیت ہاتھ سے نکل گئی۔

اب میرے پوتے پچھتر انچ ایل ای ڈی پر مجھے سلطان عبدالحمید والے درج ذیل ترک ڈرامے کی بیس پچیس قسطیں زبردستی دکھا چکے ہیں جن کا ریٹائرمنٹ میں فرصت کی وجہ سے میں اب برا بھی نہیں مناتا مگر بد ظنی اب بھی دل سے نکال نہیں سکا۔ آج موبائل پر اسی طویل ڈرامے کا مندرجہ ذیل کلپ دیکھا تو اپنی افتادِ طبع یاد آگئی۔

"پاک ٹی ہاؤس کا بے ادب ماحول"

کالم میٹھا سچ 744 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 28 جنوری 2024ء

کچھ سال قبل میں اپنے ایک غیر ادبی دوست کے دل میں ادب سے محبت کی شمع جلانے اسے پاک ٹی ہاؤس لے گیا۔ دونوں ہال بھرے ہوئے تھے مگر ہمیں چار کرسیوں والی کونے میں لگی ایک میز خالی نظر آئی۔ ہم سمجھے کہ شاید مخصوص ہو گی لیکن وہاں ایسی کوئی وارننگ نظر نہ آنے کے سبب دو خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سامنے والی میں سے انتہائی کونے میں پڑی ایک کرسی پر البتہ ایک بیگ اور ایک عصاء پر نظر پڑی۔ ابھی ہم یہ جانچ کر ہی رہے تھے کہ واش روم سے ایک بزرگ سی شخصیت نے بر آمد ہوتے ہی ہم پر برسنا شروع کر دیا کہ یہاں ادباء و شعراء کے علاوہ کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں اور وہ بھی صرف میری اجازت سے۔

ہم دونوں نے گھبراہٹ و ندامت کے ملے جلے احساس سے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں شعراء حضرات کی ادب شناسائی سے خالی خاطر مدارت کا یہ آمرانہ انداز دیکھا تو عرض کہ کہ حضور ہم بھی ادیب ہیں۔ انہوں نے فوراً ثبوت مانگ لیا۔ وہ تو اللہ کے کرم سے ہماری گاڑی کی ڈگی میں میری اسی برس طبع ہونے والی ہماری کتاب "غذائی علاج" کی ایک جلد پڑی تھی۔ بھاگم بھاگ لے کر آئے اور اپنے انسان ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

انہوں نے ناک بھوں چڑھا کر کتاب کے موضوع کو ادب سے خارج کرتے ہوئے ہمارے ادیب یا شاعر ہونے کا ثبوت مانگا۔ میرے دوست نے نصف صدی سے چھپنے والے اپنے کثیر الاشاعت طبی رسالے "قومی صحت" کے ایڈیٹر ہونے کا ثبوت بشکل تعارفی کارڈ پیش کیا اور میں نے اپنا ایک فی البدیع شعر لڑھکا دیا:

"جتنا چاہے خالی کر دو۔۔۔۔ بھرا رہے گا دکھ کا ساگر"

آخر کار انہوں نے زچ ہونے کے انداز میں ہمیں اپنے گوشۂ مخصوصہ پر بیٹھنے کی صرف ان شرائط پر اجازت دی کہ ہم ان کی کتاب "نیرنگ خیال" مبلغ ڈھائی سو روپے میں خریدیں گے نیز انہیں سینڈوچ کے ساتھ چائے پلائیں گے۔ جب ہم نے دونوں شرائط پوری کر کے مفاد پرستانہ دوستی کی ابتدا کر لی تو انہوں نے کمال شفقت سے کینٹین بوائے سے اپنا ملنے والا رعایتی بل لانے کا کہا بلکہ ہمیں نصیحت فرمائی کہ آئندہ ایسے حالات میں پہلے اجازت لے کر بیٹھیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہمیں اپنا مہمان بھی سمجھے جانے کا روح فرسا اعلان کر دیا۔

اس پوسٹ میں جناب ناصر زیدی صاحب مرحوم کے اپنے ہاتھ سے لکھی پرچیاں بھی لف ہیں تا کہ بوقت ضرورت کام آئیں اور دوسروں کو معلوم پڑے کہ ملک عزیز میں ادبی دہشت گردی بھی عروج پر ہے۔

"فضائی شاعر"

کالم میٹھا سچ 745 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 29 جنوری 2024ء

چونتیس برس قبل فضائیہ کے حاضر سروس ایئر کموڈور جمیل یوسف کو پن ہیگن کے ایک مشاعرے میں شریک ہوئے اور مندرجہ ذیل شعر کے باعث آج بھی بھول نہیں پائے

اے خدا تو ہی بے مثال نہیں۔۔۔

میں بھی تو ہوں کائنات میں تنہا۔۔۔

ویسے تو پوری غزل ہی بہت اچھی تھی۔ مثلاً

مجھ کو ہر اک بات کا غم ہے

میں ہوں ہر اک بات میں تنہا۔۔۔

آپ اپنی تلاش ہے مجھ کو

ہوں عجب مشکلات میں تنہا۔۔۔

:یا پھر یہ اشعار دیکھئے

ہر ایک سے تیری محبت کی داستاں کہہ دی

میں یہ خزانہ چھپا کر بھلا کہاں رکھتا۔۔۔

کچھ اور دیر اسی لطف میں گزر جاتی

کچھ اور دیر تیری چاہ کا گماں رکھتا۔۔۔

:یا پھر یہ شعر

بھٹک رہی ہے ہوا میں تیری جواں خوشبو

فضا میں تیری نظر کا خرام باقی ہے۔۔۔

نظر اٹھا کے محبت سے تو نے دیکھا تھا

وہ وقت ٹھہر گیا ہے شام باقی ہے۔۔۔

'امریکہ ویزا دے یا بد دعائیں لے"

کالم میٹھا سچ 746 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 29 جنوری 2024ء

ہمارے ایک فلاسفر دانشور اکڑوں بیٹھ کر خود کلامی کے انداز میں صبح شام امریکہ کو جلی کٹی سناتے رہتے ہیں۔ شاید ویزا انہیں ملا یا چین کو خوش آمدید کہنے کے چکر میں ایسا کرتے ہیں حالانکہ ویزا انہیں شاید چین نے بھی نہیں دیا ہو گا۔

کیا کوئی کشف ہوا ہے یا محض خواہش ہی بیان کر دی ہے آپ نے؟

یاد رکھیں امریکہ ساڑھے تین سو سال کی مسلسل محنت سے سپر طاقت بنا اور چین جاپان و برطانیہ کو بھی سینکڑوں برس لگے۔

آپ اپنی بات کیوں نہیں کرتے کہ ہمیں ان مقامات تک کب پہنچنا ہے؟ یا ہم نے محض بد دعاوں سے ہی ہاتھی گراتے رہنا ہے؟

خیر مجھے ابھی پچاس برس امریکہ گرتا نظر نہیں آتا یا پھر اگر آپ نے اس کی جڑوں میں کہیں بارود لگا دیا ہے تو ہمیں بھی بتا دیں۔

رہی اندھیرے کی بات تو کیا چین روشنی لے کر آرہا ہے یا کہیں سے قرآن کریم کی حکومت آتی نظر آرہی ہے؟

ہمارے ایک دل جلے دوست میاں صاحب نے بھی ابھی جلن یوں نکالی کہ: یقیناً آپ اپنے دلائل پر کوئی قابل قبول علمی منطق پر مبنی اگر کالم لکھیں گے تو ہمیں ضرور آگاہ کریں گے۔ تاکہ چین و امریکہ میں مناسب سے قیام کے دوران جو ہمیں سمجھ نہیں آئی وہ آپ سے سیکھ لیں۔

شکریہ اگر برا نہ منائیں تو۔ کیونکہ سوشل میڈیا تکے لگانے کا فورم ہے ہی لیکن ہم بھی اگر تکا ماسٹر بن گئے تو پھر قوم کا اللہ حافظ یا پھر اپنا حافظ۔

میاں وقار

میاں صاحب واللہ آپ نہ تو امریکہ کو جانتے ہیں اور نہ چین کو کیونکہ آپ دونوں ملکوں میں رہ کر انہیں سٹڈی نہیں کر پائے لیکن پھر بھی انتہا کے جذباتی ہو کر بات کرتے ہیں۔ میرا یہی مشورہ ہے کہ دونوں میں توازن رکھیں۔ ظاہر ہے آپ نہ تو سعودیہ کے بادشاہ ہیں اور نہ ایرانی امام اور اوپر سے جذباتی بھی ماشاءاللہ اتنے ہیں کہ امریکہ چین سعودیہ ایران بلکہ پاکستانی بھی حیرت سے انگشت بدنداں ہی رہ جائیں۔ کیا کہیں امریکہ نے آپ کا ویزا تو مسترد نہیں کیا ہوا؟

"فطری اتحادی"

کالم میٹھا سچ 747 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 جنوری 2024ء

اس میں تو شک نہیں کہ سراج الحق صاحب پاکستان کے معدودے چند ایماندار سیاسی رہنماؤں میں سے ہیں اور ان کی کہی سب باتیں بھی سچ اور حقائق پر مبنی ہیں لیکن " کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے " کہ کیا عوام اتنی ہی بے ایمان ہو گئی ہے کہ بار بار چوروں کو ہی منتخب کر لیتی ہے اور جماعت اسلامی لوگوں کا منہ دیکھتی رہ جاتی ہے ؟

دیکھا جائے تو کسی بھی ملک کو دیانتدار قیادت کی ضرورت ہوتی ہے، قابل اور محنتی نمائندے درکار ہوتے ہیں اور خوف خدا کی خوگر سیاسی قیادت چاہئے ہوتی ہے۔ یہ سب خوبیاں جماعت میں روز ازل سے ہی موجود ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ جماعت کی بد قسمتی ہے یا عوام کو اندھرا تا ہے کہ انہیں بار بار ووٹ کے حقدار چور ہی کیوں نظر آتے ہیں؟ جماعت کو نہ تو اسٹیبلشمنٹ آگے آنے دیتی ہے اور نہ عوام انہیں ووٹ کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ کی تو سمجھ آگئی ہے کہ کرپٹ سیاستدان کی حامی ہے لیکن عوام کو کیا موت پڑی ہے ؟

بقول حضرت علی جب لوگ بے ایمان ہو جائیں تو ان کو نااہل حاکموں کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔ کیا یہ وقت پاکستان پر آ نہیں چکا ہوا؟ بقول ہمارے بڑی ریاض اپل کے ہم جماعت کو ووٹ

دینا چاہتے ہیں لیکن یہ جیت کر ان لوگوں سے اتحاد بنا لیتے ہیں جن کی ہم شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔

وجہ کوئی بھی ہو لیکن میری ذاتی رائے میں جماعت اور تحریک انصاف فطری اتحادی نظر آتے ہیں لہٰذا کیا ایسا ممکن ہے کہ اگر واقعی چناؤ ہو گئے اور پھر شفاف بھی ہو گئے تو تحریک انصاف اور جماعت دونوں جیت کر اتحاد بنا لیں اور چوروں سے ملک و قوم کو آزادی دلا دیں؟

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔۔

"پچیس ہزار چمگادڑ"

کالم میٹھا سچ 748 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 جنوری 2024ء

کس نے آج کے نوجوان کو شعور دیا کہ وہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھائے اور مین سٹریم مردار میڈیا کو نہیں بلکہ سوشل میڈیا کے ہتھیار کو استعمال میں لاتے ہوئے 25 کروڑ کے ہجوم کو آواز دے کر باور کرائے کہ محض 25 ہزار خوں آشام چمگادڑوں نے انہیں اپنے منحوس پنجے میں جکڑ رکھا ہے۔

ہم ستر کے انتخابات سے آج 54 سال بعد بھی اسی احمقانہ گھن چکر پر کھڑے ہیں کہ جہاں جاگیر دار طاقت کے تمام مراکز پر بیٹھ کر آج بھی فوج، بیوروکریسی، پارلیمان اور صحافت کے اونچے ایوانوں سے اٹھارہ سے پینتیس برس کے چالیس فیصد ووٹروں کو ایک بار پھر بے وقوف بنانے کے درپے ہے۔

تب بھٹو نے پسے طبقات کو زبان دی اور آج عمران نے نوجوان کو جگا دیا ہے اور سمجھا دیا ہے کہ ٹرپل اے یعنی اللہ، امریکہ اور آرمی والے فارمولے نے ہی ہمیں برباد کیا ہے۔ اللہ کرے کہ عوام کی قسمت اس بار اچھی ہو اور بھٹو والا حشر عمران کا نہ ہو اور جاگی ہوئی عوام ہی ان 25 ہزار چمگادڑوں کو جلا کر راکھ کرتے ہوئے اس ملک کو ترقی کی جانب لے جائے۔ آمین۔

"ایک سیاسی تجویز"

کالم میٹھا سچ 749 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 جنوری 2024ء

السلام و علیکم وقاص بھائی

اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔

پلان سی کی کامیابی کے کتنے امکانات ہیں؟ ویسے جماعت کے لئے موقعہ تو اچھا ہے لیکن عوام کے ذہنوں سے فی الحال عمران کو نکالنا تقریباً ناممکن سالگ رہا ہے جسے خود اسٹیبلیشمنٹ نے جیل میں رکھ کر نجات دہندہ جیسا مکمل لیڈر بنا دیا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کے جتنے بھی اراکین پارلیمان میں آئیں وہ اگر عمران کے اراکین اسمبلی سے اتحاد کا فیصلہ کر لیں تو اپنی اسٹیبلشمنٹ مخالف حکومت بنا سکتی ہے۔ یہ ایک پالیسی بن سکتی ہے یعنی آئندہ کی حکومت بھی سیاسی طور پر مضبوط ہو گی جو واقعی اسٹیبلشمنٹ کے win win سامنے جم سکے گی، جماعت کو بھی اپنی عملی کارکردگی منوانے کا موقعہ مل

جائے گا، اور سب سے اہم بات پی ڈی ایم کے منحوسوں سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

سب سے بہتر تو یہ رہتا کہ چناؤ سے قبل جماعت عمران سے اتحاد بنا لیتی اور یوں محب وطن ووٹ تقسیم نہ ہوتا لیکن یہاں اسٹیبلشمنٹ سیاسی میدان مار گئی ہے۔ لیکن اب بھی بہتری کا موقع موجود ہے۔

خیر خواہ

آپ کا پڑوسی ڈاکٹر سلطان محمود

وقاص

ملک میں 70 فیصد سے زیادہ ووٹرز پی ڈی ایم اتحاد (نواز لیگ، قاف لیگ، پیپلز پارٹی، جمعیت علمائے اسلام فضل الرحمان، اے این پی، ایم کیو ایم، استحکام پارٹی) کے مخالف ہیں- اس 70 فیصد ووٹرز کو تقسیم کرنے کے لئے طاقتور حلقوں نے مبینہ طور یہ تین پلان بنا رکھے ہیں؛

تحریکِ انصاف کے الیکٹیبلز کو ہانک کر دوسری پارٹیوں میں شامل کروایا جائے- پی ٹی آئی کارکنان کو مقدمات میں پھنسا کر یا جیلوں میں ڈال کر انتخابی مہم سے دور رکھا جائے اور خوف کی فضا قائم رکھی جائے- یہ پلان کافی حد تک کامیاب ہو چکا ہے- :پلان اے

تحریکِ انصاف کو انتخابی نشان سے محروم کر کے ہر حلقہ سے کئی کئی آزاد امیدوار کھڑے کر دیئے جائیں اور تمام آزاد امیدوار تحریکِ انصاف سے وابستگی ظاہر کر کے آپس میں ووٹ تقسیم کر لیں۔

پلان بی: اس وقت پلان B پر ہی کام جاری ہے

گزشتہ چند ماہ کے تمام سروے نتائج سے ظاہر ہے کہ تحریکِ انصاف کو انتخابی عمل سے دور رکھنے کے نتیجہ میں پی ڈی ایم اتحادی جماعتوں کے واحد مخالف جماعت اسلامی الیکشن میں ہو گی۔ ایسی صورت میں پی ڈی ایم مخالف تمام ووٹ جماعتِ اسلامی کو مل سکتا ہے۔ جماعتِ اسلامی کی کامیابی روکنے کے لئے فرقہ پرست مذہبی جماعتوں کو انتخابی میدان میں اتار کر جماعتِ اسلامی کا ووٹ بنک تقسیم کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ پلان سی پر بھی کام جاری ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ طاقتور حلقوں کے پلان

پلان سی:

کو ناکام بنا دیا جائے C اور پلان B۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر حلقہ میں کئی کئی آزاد امیدواروں اور مختلف فرقہ پرست مذہبی جماعتوں کے کئی کئی امیدواروں کو ووٹ دینے کی بجائے عوام صرف جماعت اسلامی کے امیدواروں کو ووٹ دے تا کہ پی ڈی ایم اتحادی جماعتوں کو شکست دے کر امپورٹڈ لاڈلے کو قوم پر مسلط کرنے کی سازش کو ناکام بنایا جا سکے۔

اگر آزاد امیدوار جیت بھی گئے تو انہیں لالچ اور دھمکیوں سے نواز لیگ، قاف لیگ، پیپلز پارٹی، استحکام پارٹی وغیرہ میں شامل کروادیا جائے گا- لیکن جماعتِ اسلامی کے کامیاب ہونے والے امیدواروں کو لالچ اور دھمکی سے خریدنا یا جھکانا ممکن نہیں ہے- الحمدللہ

چند ماہ پہلے کراچی میئر کے الیکشن کی ہی مثال لے لیں، جب تحریکِ انصاف کے 63 میں سے 30 یونین کونسل چیئرمینوں کو لالچ اور جبر کے ذریعے خرید لیا گیا جبکہ جماعتِ اسلامی کے 130 یونین کونسل چیئرمینوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ خریدا جاسکا اور نہ ڈرایا جاسکا- الحمدللہ

اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ حل صرف جماعتِ اسلامی ہے۔

"لالچ زندہ بے ایمان باقی"

کالم میٹھا سچ 750 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، یکم فروری 2024ء

ہماری ایک واقف حال نے پوچھا ہے کہ جاپانی نہ نماز پڑھتے ہیں نہ 15 لاکھ لگا کر حج کرتے ہیں نہ ماتم کرتے ہیں نہ مزاروں اور تبلیغ پر جاتے ہیں لیکن ایمانداری میں پہلے نمبر پر ہیں۔

ڈاکٹر

یہ جاپان کی وہ ریاستی اور دانشمندی والی تربیت ہے جس کے قریب بھی ہماری عوام کو پھٹکنے نہیں دیا گیا۔ نہ تو مذہب ہماری تربیت کر سکا ہے اور نہ تعلیمی ادارے اور مدرسے۔

یہ ایک انتہائی واضح نشانی ہے جو ہمیں حقیقت سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے کہ اس ساری ملیامیٹ سے کس گروہ کو فائدہ مل رہا ہے جس کا اب سبھی کو پتا چل چکا ہے کہ یہ جاگیرداروں کی اسٹیبلشمنٹ کا کام ہے۔ پاکستان میں ایک بھی سیاسی پارٹی اسٹیبلشمینٹ سے ٹکر لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور اسی کمزوری کو اسٹیبلشمنٹ کیش بھی کراتی چلی آ رہی ہے۔

ہم جیسے بیشمار محب وطن پچھلے پچاس برس سے شور مچاتے چلے آ رہے ہیں کہ بچوں کو پڑھاؤ اور روایات کی تربیت والدین اور استاد کریں لیکن یہ دونوں طبقات خود ہی اپنی نسلوں کو موبائل کے حوالے کر کے خود بھی اسی میں کھو گئے ہیں۔ تو پھر یہی تو ہونا تھا جو آج ہو رہا ہے۔

ستر کی چناؤ کی ایک مثال دیتا ہوں جو سارے ملک پر صادق آتی ہے۔ لائلپور یعنی فیصل آباد سے پیپلز پارٹی کی جانب سے میاں عطااللہ ہمارے ووٹوں سے وزیر ریلوے بنا لیکن وہ پورا انجن ہضم کر کے سعودیہ بھاگ گیا جہاں آج بھی اس کے چھ چھ فٹ کے چھ بچے اپنی اپنی ایمپائر قائم کر چکے ہیں مگر اس میں اچھی بات یہ ہوئی کہ اس نے دوبارہ عوام کو منہ نہیں دکھایا۔ اب اس مثال سے دو پیغامات نکلتے ہیں۔ اول، اگر اسے کسی کینگرو کورٹ نے سخت سزا دی ہوتی تو آج پاکستان کا عدالتی نظام دنیا بھر میں ذلت کا شکار ہو کر سب سے نیچے نہ ہوتا اور دوم اگر ووٹرز ہی میں کوئی غیرت ہوتی تو اگلے

چناؤ میں اس پارٹی کے اگلے اُمیدواروں کو وہ جوتے مارتے کہ اس جیسی کوئی بھی پارٹی عوام سے نظر نہ ملا سکتی۔ لیکن معذرت سے عرض کروں گا کہ اگر ووٹر ہی بے غیرت نکل آئے اور بریانی کی پلیٹوں پر ضمیر بیچ آئے تو چور تو ہمارے سروں پر ویسے ہی ناچیں گے جیسے آج ناچ رہے ہیں۔

جاپان میں قوم کی اخلاقی تربیت ان کے اداروں نے کی ہے لیکن ہمارے ادارے کہاں ہیں؟ ہماری تربیت تو گریڈ اکیس بائیس کے مفاد پرست افسران کرتے ہیں جو پچھتر برس کے اندر اندر ہمیں مکمل طور پر یرغمال بنا چکے ہیں۔

سچ ہے جب تک لالچ زندہ ہیں بے ایمان مر نہیں سکتا۔

"اوون کا محفوظ استعمال" .751

کالم میٹھا سچ 751 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 فروری 2024ء

{ مائیکرو ویو اوون کی صنعت کا خاتمہ، سبزیوں کا استعمال، دیسی دنیا کی طرف واپسی }

جاپانی حکومت نے اس سال کے اختتام سے پہلے پہلے ملک بھر میں مائیکرو ویو اوون کو تلف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس خاتمہ کی وجہ: ہیروشیما یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے تحقیق کی اور دریافت کیا کہ گزشتہ بیس سال میں مائیکرو ویو اون سے نکلنے والی ریڈیائی لہروں نے اس سے زیادہ نقصان پہنچایا جتنا ستمبر 1945 میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے امریکی ایٹم بموں نے نقصان پہنچایا تھا۔

ماہرین نے دریافت کیا کہ مائیکرو ویو اوون میں گرم کی گئی خوراک بہت زیادہ ارتعاش اور تابکاری کی حامل ہوتی ہے۔

"جاپان میں مائیکرو ویو اوون کی تمام فیکٹریاں بند کی جا رہی ہیں"

جنوبی کوریا نے مائیکرو ویو اوون کے تمام کارخانے 2022 اور چین نے 2023 تک بند کرنے کا اعلان کیا ہے۔

کاشیرہ کینسر سینٹر میں کینسر پر منعقدہ کانفرنس میں تجویز کیا گیا ہے کہ

1. ۔ریفائن کیا گیا تیل نہیں.

2. ۔نہ ہی جانور کا دودھ (سویا ملک تجویز کیا گیا ہے)،

3. ۔غذائی کیوبز۔۔ نہیں (مرغ یخنی مسالہ کیوبز جیسے میگی وغیرہ)

4. ۔نہ سوڈا (32 چمچ چینی فی لیٹر)

5۔ریفائن چینی۔۔ نہیں

6۔مائیکرو ویو اوون نہیں

7. ۔نہ ہی پیدائش سے پہلے میمو گرام (چھاتی کا ایکسرے) سوائے ای سی جی کے۔

8. ۔نہ ہی انتہائی تنگ زیر جامہ اور پتلونیں۔

9. ۔نیم منجمد غذا کو دوبارہ منجمد نہ کریں۔

10. فریج میں رکھی گئی پلاسٹک کی بوتلوں میں ٹھنڈا پانی ہر گز نہ پیئں۔۔

۔حجامت یا غسل کے بعد استعمال شدہ بدبو دور کرنے والے مادہ (ڈی آڈورنٹ) سے گریز کریں

11. کیونکہ یہ کینسر کی وجہ بنتے ہیں۔

کانفرنس نے آپ کی غذا میں ان اشیاء کو شامل کرنے کی تجویز دی ہے۔

1. ۔سبزیاں

2. ۔چینی کی بجائے مناسب طور پر شہد کا استعمال

3. ۔پودوں کی لحمیات (گوشت کی بجائے دالیں)۔

۔نہار منہ دانت صاف کرنے سے پہلے جسمانی درجہ حرارت کے متوازی نیم گرم پانی کے دو کپ 4. پیئں۔

5. ۔خوراک گرم ہو لیکن انتہائی گرم نہ ہو۔

6. ۔گھیکوار (ایلوویرا یا کنوار گندل) کا جوس ادرک، اجوائن، لیمن

7. ۔گاجر کا جوس روزانہ

8. ٹماٹر، لہسن پیاز کا کھانے میں استعمال

نوٹ: امریکن فزیشنز ایسوسی ایشن نے کینسر کی وجوہات دریافت کی ہیں۔

1. ۔پلاسٹک کے پیالوں میں کوئی بھی گرم چیز نہ پیئں۔

۔کاغذ یا گتے میں لپٹی یا پلاسٹک کے شاپر میں ڈالی ہوئی کوئی بھی گرم چیز نہ کھائیں۔ (مثلاً فرائیڈ آلو 2. وغیرہ)

3. ۔پلاسٹک یا مائیکرو ویو پلیٹوں میں ہرگز نہ کھائیں۔

نوٹ۔ جب پلاسٹک کو حرارت پہنچتی ہے تو اس سے نکلنے والے کیمیائی مادے 52 اقسام کے کینسر کا باعث بنتے ہیں۔

آپ کو تمام قسم کے کولڈ ڈرنکس از قسم کولا، پیپسی، فانٹا اور تمام مجموعی مشروبات کے پینے سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ کینسر چینی پر پرورش پاتا ہے۔ تازہ انناس کھائیں اور پائن ایپل مکس سے پرہیز کریں۔ رات 7 بجے کے بعد بھاری غذا ہر گز نہ کھائیں۔

صبح کے وقت زیادہ پانی پئیں۔ اور شام کو کم پیئں۔ کھانا کھانے کے فوری بعد لیٹیں یا سوئیں نہیں۔

Note: Food cooked in a microwave oven is as safe, and has the same nutrient value, as food cooked in a conventional oven.

صرف برتن کا استعمال و انتخاب احتیاط سے کریں۔

مائکرو ویو سے ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ زہریلے مائیکرو پارٹیکلز و کیمیکلز خوراک کا حصہ بن جاتے ہیں۔
بہت سے پلاسٹک کے بانڈ ان

اصل میں ھمارے ملک میں خالص پلاسٹک ملنا مشکل ھے۔ ان پڑھ لوگ ہر طرح کا پلاسٹک استعمال کر ہے ہیں اور نام کمپنی کی طرف سے صرف اوپر لکھ دینا کافی نہیں۔

ڈاکٹر

سادہ سفید کاغذ، گتہ یا کارڈز وغیرہ کو مائیکر وویو اوون میں استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کے اوپر چپکے لیبل یا عبارت کی روشنائی چیک کر لی جائے کہ ان میں رنگ اور دھات کا استعمال نہ ہوا ہو۔ ٹیک اوے کے ڈبوں پر رنگین پرنٹنگ میں پلاسٹک اور دھات کی شمولیت خارج از امکان نہیں۔

دبئی کی اٹھاسی فیصد آبادی 96 ممالک سے تعلق رکھتی ہے اور میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق ان کی اکثریت وقت اور علم کی کمی کے باعث ہوم ڈیلیوری میں منگوائی گئی غذا کو براہ راست اوون میں گرم کر لیتے ہیں جو ناقص پلاسٹک میں لپٹی ہوتی ہے جبکہ یورپ امریکہ اور چین میں میں نے اس معاملے میں ان کو مرکزی فوڈ اتھارٹیز کی ہدایات پر عمل کرتے دیکھا ہے۔

"خدا کا وجود"

کالم میٹھا سچ 752 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 فروری 2024ء

ایک ماں کے رحم میں دو بچے تھے۔ دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگے

ایک نے دوسرے سے پوچھا، "کیا تم اس زچگی کی زندگی کے بعد بھی کسی زندگی پر یقین رکھتے ہو؟"

دوسرے نے کہا، "یقیناً، زچگی کے بعد بھی کوئی نہ کوئی زندگی تو ہو گی، ممکن ہے کہ ہم یہاں اس لئے ہوں کہ خود کو آنے والی زندگی کے لئے تیار کر لیں۔"

میرا نہیں خیال "پہلا بولا، بھلا وہ کس قسم کی زندگی ہو سکتی ہے؟"

دوسرے نے کہا، "مجھے نہیں معلوم، لیکن وہاں، یہاں سے زیادہ روشنی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم وہاں اپنے پیروں سے چلیں اور اپنے مونہہ سے کھائیں۔ ممکن ہے کہ وہاں ہمارے پاس ایسے حواس ہوں جن کے بارے میں ہمیں ابھی کچھ سمجھ نہیں ہے"۔

پہلے نے مذاق اڑایا، "کیا بیوقوفی ہے، پیروں سے چلنا ممکن ہی نہیں اور اپنے مونہہ سے کھانا؟ مضحکہ خیز!۔ ناف سے جڑی نالی سے ہمیں ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ نالی چھوٹی سی ہے۔ جب یہ نالی ساتھ نہ ہو گی تب زندگی کا تصور بھی محال ہے"۔

دوسرے نے کہا، "بہر حال! میرا خیال ہے کہ وہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہے اور شاید یہاں سے مختلف۔ ممکن ہے کہ وہاں ہمیں خوراک کی اس نالی کی ضرورت ہی نہ ہو اور ہو سکتا ہے ہم وہاں ہوا میں سانس لیں؟

پہلے نے کہا، "بالکل فضول! بھلا ہم تو پانی میں ڈوبے ہوئے ہی سانس لے سکتے ہیں۔ پانی کی تھوڑی سی بھی کمی ہو تو ہماری زندگی خطرے میں ہوتی ہے اور تم ہوا میں سانس لینے کی بات کر رہے ہو- اچھا چلو! اگر اس کے باہر بھی زندگی ہے تو کوئی کبھی وہاں سے واپس کیوں نہیں آیا؟ سمجھ لو کہ بس یہی زندگی ہے اس کے بعد کچھ نہیں"۔

دوسرا بولا، "خیر میں یہ سب نہیں جانتا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہاں کی زندگی ختم ہونے کے بعد ہماری ملاقات ہماری ماں سے ہو گی اور وہی ہماری دیکھ بھال کرے گی"

پہلا حیران ہوا، "ماں"؟؟ کیا تم واقعی ماں کے وجود پر یقین رکھتے ہو؟ ارے اگر ماں وجود رکھتی ہے تو ابھی وہ کہاں ہے؟"

دوسرا بولا، "مجھے لگتا ہے کہ ماں ہمارے چاروں طرف ہے۔ ہر جانب۔ ہم بھی اسی کی وجہ سے ہیں۔ اس کے بغیر یہ دنیا جہاں ہم موجود ہیں، وجود نہیں رکھ سکتی"

پہلے نے اعتراض کیا، اگر ماں کا وجود ہوتا تو وہ مجھے نظر بھی آتی۔ مجھ سے بات بھی کرتی۔ اتنی چھپ کے نہ بیٹھی رہتی۔ اگر وہ ہم سے اتنا ہی پیار کرتی تو ہم کو ایسے نہ چھوڑتی۔ لہٰذا عقل یہی کہتی ہے کہ ماں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ سب ہمارے دماغ کی پیداوار ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

دوسرے نے جواب دیا، کبھی کبھی جب ہم خاموش ہوتے ہیں۔ توجہ دیتے ہیں اور سننے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ کہیں اوپر سے اس کی محبت بھری آواز سنائی دیتی ہے۔ ہم کو اپنی دھڑکنوں کے ساتھ اس کی دھڑکن بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہی ہماری ماں ہے۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہے۔

دوستو! کچھ اسی طرح کا حال ہمارا اور ہمارے رب کریم کا ہے۔

ڈاکٹر

اس خوبصورتی سے قلابے ملانا واقعی ہمارے لئے مشکل تھا لیکن بہر حال سوچ کا اک نیا رخ ضرور سامنے آیا ہے۔

نسیم چوہدری

کچھ بچے ماں کے پیٹ ہی میں مر جاتے ہیں اور ماں ان کو مجبوری اور لاچارگی کے عالم میں مرتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے؛ کیونکہ ماں قادر مطلق نہیں ہوتی! مذہب کا خدا بھی اسی طرح بے بس اور مجبور ہے وہ لوگوں کو ظلم سہتے اور بھوکوں مرتے دیکھتا رہتا ہے اور اپنے عادل اور رزاق ہونے کا سیاپا کرتا رہتا ہے۔

محترم نہ تو کوئی خدا ہے اور نہ موت کے بعد کوئی زندگی ہے

ڈاکٹر

انسان آگے کی جانب بڑھتے ہوئے اگر بار بار پیچھے بھی دیکھتا رہے گا تو اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کر بیٹھتا ہے اور یوں منزل پر بے حد تاخیر سے پہنچے گا۔ فارغ بیٹھے لوگ مذاہب کی پیچیدگیوں میں کھو کر اپنا وقت تو ضائع کرتے ہی ہیں لیکن ساتھ سنجیدہ اور انسانی فلاح کا کام کرنے والوں کا وقت بھی لے ڈوبتے ہیں۔

یہاں میں کسی امریکن دہریئے کا خدا بارے یہ نکتہ بیان کرنا چاہوں گا کہ "خدا ہے تو نہیں لیکن نفسیاتی خودکشی سے بچنے کے لئے اسے ضرور گھڑ لو"۔

پچھلے چھ ہزار سال سے خدا کے موجود و غیر موجود بارے خیال لائیخل ہی رہا ہے ماسوائے ان نکتہ فہموں اور سمجھداروں کے جنہوں نے کسی بھی وجہ سے مذاہب و ادیان کو کم اہم مان کر اپنی توجہ زیادہ اہم امور یعنی انسانی فلاح و بہبود پر مرکوز رکھی اور اپنے قیمتی وقت کو ایسی بے نتیجہ موشگافیوں میں ضائع نہیں کیا۔ لہٰذا ہمیں انسان کی بہتری کی خاطر اپنے مذہبی عقائد کی چونچیں لڑانے کی بجائے ان امور پر دھیان دینا چاہئے جو اس انسان کو آنے والے خطرات سے نبرد آزما ہونے کی ہمت دے سکے مثلاً ماحولیاتی آلودگی کا حل کیا ہونا چاہئے، اجتماعی سماجی مشکلات کا حل کیسے نکلے گا نیز دنیا بھر کی حکومتوں کی گورننس کے بگڑتے توازن کا کوئی موزوں اور قابل عمل حل۔

کے امور پر توجہ مرکوز کر کے خدا کی موجودگی و غیر موجودگی والی بیکار کی بحث کو ترک کر دیا ہوا ہے وقت کی ترقی یافتہ دنیا نے مذکورہ انوائرمنٹ، سوشل اور گورننس (ای سی جی)

اور ہم ہیں کہ سوشل میڈیا پر توجہ حاصل کرنے کی کوشش میں بیکار کی بحثوں میں لتھڑے کھڑے ہیں۔

"کتاب اور روٹی"

کالم میٹھا سچ 753 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 فروری 2024ء

(منقول، کافی تبدیلیوں کے ساتھ)

یہ میری وہ کتابیں ہیں جو آج تک مجھ سے جدا نہیں ہوئی تھیں کیونکہ ان میں لکھا ہے کہ پاکستان گندم کی پیداوار میں ساتواں بڑا ملک ہے۔

اور پھر یوں ہوا کہ وہ ساری کتابیں میں نو سو روپے میں بیچ کر اپنے پاس سے تین سو روپے ڈال کر دس کلو آٹے کا تھیلا لے کر گھر آ گیا ہوں۔

جن کتابیں کو پڑھ کر میں زمانے میں معتبر ٹھہرا ہوں اور لوگ مجھے پڑھا لکھا کہتے ہیں مجھے اتنا بھی نہ سکھا سکیں کہ عزت کی روٹی کیسے کماتے ہیں لہٰذا میں آج انہیں کتابوں پہ تبصرہ کرنے بیٹھ گیا ہوں۔

کلاس نہم سے لیکر ماسٹر تک سارا نصاب ابھی تک موجود ہے۔ لیکن زندگی نے جو سبق دیا وہ ان میں سے کسی کتاب میں نہیں۔ جو ان کتابوں میں پڑھا ایسا کچھ بھی میری زندگی میں نہیں۔ نہ قائداعظم کے چودہ نکات۔ نہ اکبر بادشاہ۔ نہ الجبرا۔ نہ مسٹر چپس۔ نہ سطح مرتفع پوٹھوہار۔ نہ ہی وہ پاکستان جو گندم کی پیداوار میں ساتواں خود کفیل ملک ہے۔

مجھے پیسے کمانے کا طریقہ تو بتایا نہ گیا۔ بس فوٹو سنتھیسز کا عمل پڑھاتے رہے۔ سارا دن کیمسٹری کے فارمولے کو رٹہ لگواتے رہے۔ حالانکہ ہر چیز بنی بنائی ملتی ہے وہ بھی پیسوں سے۔ تو پیسہ کمانا تو کسی ماسٹر نے نہیں سکھایا۔

بیالوجی کی کتنی شاخیں ہیں helping verb یاد ہیں مجھے لیکن helping work اگر یاد نہ ہوا تو فیل۔ لیکن میرے سے کتنے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں یہ کہیں نہیں لکھا۔ تمام

خوش کیسے رہتا ہے یہ نہیں پتا۔ میں نے انہی کتابوں میں پڑھا ہے کہ پاکستان میں نمک کی اپنے بڑے کوئی بھی یاد نہیں۔ my father مضمون آج بھی یاد ہے۔ لیکن father بڑے

بڑے پہاڑ ہیں۔ لیکن میں نے اپنے اس پہاڑ کا ایک چھوٹا سا پتھر سو روپے میں خریدا ہے۔

پھر خیال آیا کہ اپنے اساتذہ سے پوچھوں کہ آپ نے جو پڑھایا وہ صحیح تھا؟ جب استاد کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آواز آئی کہ وہ مردم شماری کے لئے گئے ہیں۔ دوسرے استاد کا پتا کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سکول کے بعد ڈینگی مہم کی میٹنگ میں ہیں۔ تیسرے استاد کی طرف گیا وہ پولیو مہم میں مصروف تھے۔ یعنی میرے استادوں کو اصل مقصد سے ہٹا کر دوسرے کاموں میں لگا دیا گیا ہے۔ پھر ایک استاد یاد آیا کہ وہ اس وقت گھر پر ہوں گے۔ انکے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ تین گھنٹے ہو گئے وہ آٹا لینے گئے واپس نہیں آئے۔

پھر مجھے سمجھ آ گیا کہ کچھ بھی نہیں ان کتابوں میں جو مجھے دو وقت کی عزت کی روٹی دے سکیں۔ اتنی کتابیں پڑھنے کا کیا فائدہ ہوا اگر مزدوری ہی کرنی تھی۔

اور سوچا کہ اے بندۂ زیرک تو بھی کتنا پاگل ہے۔ ایک ایک لیکچر کے ہزاروں روپے دیتا رہا۔ فیسیں جمع کروائی۔ داخلے جمع کروائے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر مشقیں لکھیں۔ ایک ایک کتاب سینکڑوں ہزاروں میں خرید کر پڑھیں۔ لیکن آج ردی میں ان کی قیمت صرف نو سو روپے لگی۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ اتنا مہنگا علم اتنے سستے میں کیسے بیچ سکتا ہوں۔ لیکن کیا کرتا روٹی کمانا تو سکھایا ہی نہیں گیا تھا اس لئے ساری کتابیں ردی میں بیچ دیں۔

"امریکی مداخلت کب تک؟"

کالم میٹھا سچ 754 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 2 فروری 2024ء

ہمارے ایک قلمی دوست پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کے ہماری حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں امریکہ کا ہاتھ رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس سے کیسے جان چھڑائی جا سکتی ہے؟۔

آپ کے "معصومانہ" سوال پر میرا جواب گو کہ ذرا طویل ہے لیکن تاریخ کی روشنی میں پس منظر بیان کئے بغیر ادھورا سا لگنے کے باعث میں اپنے محدود مطالعے کی بنیاد پر ذرا تفصیل سے حاضر کر رہا ہوں۔

قائد اعظم اور جنیوا میں امریکن سفیر کے درمیان 1930ء تا 1940ء کے وسط میں ہونے والے خطوط لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ان کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں روسی انقلاب کا ایشیا میں رستہ روکنے کے لئے امریکہ روس کے خلاف برصغیر میں ایک الگ مذہبی ریاست بنانا چاہتا تھا جس کے لئے سفیر امریکہ قائد اعظم کو قائل کرتا نظر آتا ہے۔ اس سے قبل برطانوی گورے یہی واردات علامہ اقبال کو "سر" کا خطاب دے کر کر چکے تھے۔ اور بعد ازاں 1937ء میں گورے عمائدین مولانا مودودی اور دیگر علمائے ہند سے بھی ملتے رہے اور پھر 1942ء میں جماعت اسلامی کی داغ بیل بھی ڈال دی گئی۔ حتیٰ کہ

1920ء کے لگ بھگ حضرت احمد رضا شاہ کو بھی بریلی میں مدرسہ قائم کرنے میں مدد دینے کے بعد ان سے کمیونسٹوں کے خلاف کفر کا فتویٰ بھی حاصل کیا گیا تھا۔

پھر 1980ء میں نیویارک سے تقریباً دو ہزار حوالوں کے ساتھ ایک انگریزی کتاب شائع ہوئی "پاکستان کے دس سال: 1958ء تک". اس میں بھی قائداعظم کے مشیر میر لائق علی کا ذکر ملتا ہے جو امریکی حکومت کو اپنے وعدے یاد دلانے اور پہلی بارہ کروڑ کی امداد لینے چھ ماہ واشنگٹن میں بیٹھے رہے اور کامیاب لوٹے۔

امریکی خطوط اور میر لائق علی کی امریکن سینٹرز سے ملاقاتوں میں سب سے اہم دلیل یہ تھی کہ روس اسلام کا دشمن ہے نیز مشیر قائد نے بھی اسی نکتے پر فوجی امداد حاصل کی۔ 1980ء والی کتاب میں امریکی 1915ء تا 2015ء کے سو سالہ پلان کا ذکر بھی ملتا ہے کہ کیسے روس کو گرم پانیوں سے دور رکھنا ہے نیز آنے والی فوجی حکومتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

اگر آپ کو یاد ہو کہ موجودہ اکیسویں کے آغاز میں یہ افواہ بڑی شدومد سے بھارتی اور پاکستانی میڈیا میں زیر بحث رہی کہ 2015ء کے بعد پاکستان موجودہ جغرافیے میں قائم نہیں رہے گا لیکن اسی زمانے میں امریکن فلاسفر ہنٹنگٹن اور امریکی تھنک ٹینک ہنری کسنجر نے امریکی پالیسی سازوں کو چین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے متنبہ کیا اور پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ لہٰذا میں یہ خبریں اپنے 2000ء تا 2002ء تک قیام امریکہ میں کئی ذرائع سے سنتا رہا کہ فکر نہ کی جائے کیونکہ اب پاکستان چین کے رستے کی رکاوٹ بننے پر آمادہ ہے لہٰذا ہمارا ملک امریکہ کی مدد کرنے کے لئے ابھی کافی آگے چلے گا۔

ویسے تو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کی طلبہ یونین میں رہنے کے سبب میرا ملکی سیاست سے 1979ء تا حال پینتالیس سالہ تعلق بنتا ہے لیکن خصوصی طور پر میں ملک میں ہونے والی پچھلے پچیس سالہ طرز سیاست کو اپنی انہی معلومات کے مطابق دیکھتا ہوں اور اس حقیقت پر یقین رکھتا ہوں کی پاکستان میں امریکی مداخلت ختم ہونے کے پچھلے پچھتر سال سے لے کر اگلے پچاس سال تک کوئی امکانات نہیں ہیں۔ امریکہ آج بھی برطانوی پالیسی کی طرز پر پاکستان میں اپنا ایک وائسرائے جیسا طاقتور عہدے دار مقرر کرتا ہے جو پورے ملک کے معاملات ایک بادشاہ کے انداز میں قابو میں رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی کتب سے ہٹ کر 2015ء سے مسلسل امریکہ میں ہے درپے معتبر شخصیات ایسی کتابیں لکھ رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایشیا میں امریکہ کو پاکستان کی اب بھی اسی طرز کی شدید ضرورت ہے جیسی 1977ء سے لے کر 1989ء تک سوویت یونین کو توڑنے کے وقت تھی لہٰذا کسی بھی امریکی حکومت کو یہ نہیں چاہیئے کہ اس طفیلی ریاست سے تعلق توڑے۔ اسی سلسلے میں سابق بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ کی کتاب "جناح" کا مطالعہ بھی کافی مددگار اور قابل ذکر ہے۔

لہٰذا آپ کے سوال کا جواب یہی ہے جسے میں نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر پوری حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ بھاری دل سے مختصراً بیان کیا ہے اور جو کسی بھی محب وطن پاکستانی کی طرح میری خواہشات کے یکسر خلاف بھی ہے مگر حقائق کو غیر جانبداری سے بیان نہ کرنا میری نظر میں بددیانتی ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ اردو زبان کے سیاسی تجزیہ نگار اس طرح کا مستقبل کا نقشہ نہیں کھینچ سکتے جو انگریزی زبان کے عالمی درجے کے تجزیہ نگار کھینچ رہے ہیں۔ لہٰذا انگریزی زبان سے شناسائی نے بد قسمتی سے مجھے اس لٹریچر تک رسائی دے دی ہوئی ہے جو صرف معتبر عالمی سیاستدان اور فلاسفر کے تجزیات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

"بے حیائی کا سفر بزریعہ سڑک"
کالم میٹھا سچ 755 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 12 فروری 2024ء

میں جم پل شہر کا ہوں لیکن گاؤں کی زندگی کا بھی شیدائی ہوں مگر رہائش کے لئے نہیں بلکہ محض ایک دن کی یاترہ کے لئے اور وہ بھی محض خالص دودھ، مکھن، دیسی گھی کے پراٹھے اور تڑکے والی دال کھانے اور گنے چوسنے کے لئے نیز گڑ بنانے کا عمل دیکھنے کے لئے بھی۔ گھی کے تڑکے والے ستو کھانے کے لئے بھی ہاں اگر مکئی کی روٹی، ساگ اور لسی مل جائے تو عید ہو جائے۔ دیسی گھی ملی شکر کے ساتھ پراٹھا اور دودھ پتی مل جانے کا کوئی لالچ دے تو شاید دو ایک راتیں بھی رہ لوں۔
کھابوں کے علاوہ مجھے گاؤں کی چوپال بہت اچھی لگتی ہے اگر سیل فون نے اب بھی وہ روایت زندہ رہنے دی ہو تو۔ لہلہاتے کھیت میرا کرش ہیں اور لوگوں کی سادہ لوح حرکات اور گفتگو پر تو جی چاہتا ہے کہ بس دیکھتے جائیں اور سر دھنتے جائیں۔ البتہ بلوچستان کے گاؤں میں ایسی مجالس کا مزہ نہیں آیا کیونکہ وہ میری خاطر گفتگو کا دیہاتی رنگ بدل لیتے تھے۔ ایسے ہی چند تجربات پندرہ برس قبل مٹیاری سندھ سے شروع کر کے تھر سمیت رحیم یار خان سے ہوتے ہوئے پاکپتن کے راستے 22 اضلاع کی سیر کے بعد فیصل آباد کے دیہات میں دوماہ تک کے سفر میں بھی محسوس کئے گئے کہ اب گاؤں میں بھی غربت اور جدید بننے کی دوڑ نے روایات بدل دی ہیں اور منافقت اور بے حسی کوٹ کوٹ کے بھر گئی ہے دیہاتیوں میں بھی۔
بلوجستان اور سندھ میں ڈیرہ غازی خان کے باسیوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ "بے حیائی بھی سڑک کے راستے سفر کرتی ہے" یہ سوچ اینٹی ڈویلپمنٹ یعنی ترقی کو روکنے والا ایک نعرہ تھا لیکن پھر

سرداروں، وڈیروں اور نوابوں نے یہی کچھ ثابت بھی کر دکھایا اور آج تک ترقی روکے بیٹھے ہیں۔ اگر سوشل میڈیا نہ آتا تو بلوچستان، اندرون سندھ اور جنوبی پنجاب آج بھی اندھیروں میں ڈوبے ہوتے بلکہ کافی حد تک اب بھی ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب یہ تو معلوم نہیں کہ وہاں اس وقت پھیلی بے حیائی، بے حسی اور تعصب سڑک کے ذریعے پہنچے ہیں یا وائی فائی کے ذریعے لیکن دیہات بدل ضرور گئے ہیں۔

"چپ ہی بھلی"
کالم میٹھا سچ 756 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 12 فروری 2024ء

سر جی محض سیاستدانوں کی غلطیاں چنتے رہنا اور وہ بھی ترجیحاً صرف عمران پارٹی کی، در حقیقت سطحی سوچ ہے اور اسٹیبلشمنٹ کے کرتوت نظر انداز کر جانا کہ انہوں نے آج تک پارلیمان کو ایک آزاد ادارہ کیوں بننے نہیں دیا اس پر خاموش رہنا۔
معذرت کے ساتھ یہ جانبدارانہ تبصرہ تو خیر ہے ہی لیکن منصفانہ ہر گز نہیں۔ آپ ہر بار خلائی مخلوق والی بنیادی بات بھول کر سطح آب پر ہی تیرتے رہتے ہیں۔
جن باتوں کی میں نے نشاندہی کی ہے ان کا اگر علمی طور پر جواب دیتے تو خوشی ہوتی ورنہ ایسے الزامات تو قوم یوتھ ہر کسی پر اور ہر روز ہی لگاتی رہتی ہے۔
ڈاکٹر
حضور آپ کی بات ہر گز علمی نہیں تھی بلکہ سطحی سیاسی تھی مگر جواب بھرپور علمی ہی تھا۔ ذرا گہرائی میں بھی اترنے کی بھی زحمت کر لیا کریں۔
پاشا بھائی ہمیں بزدل یا کمپرومائز کرنے والا مت سمجھئے گا الحمدللہ جمعیت کا ٹرینڈ ہوں اعلیٰ حضرت لیاقت بلوچ کے ہاتھوں کا تربیت یافتہ اور جناب شاہد اسلم کا جونئیر ساتھی نیز سابقہ صدر یونین جناب حافظ وصی محمد خان صاحب کا نمک خوار۔ گیارہ برس جمیعت کی خدمت کی اور اس وقت شاید ان چند لوگوں میں سے ہوں گا جو حضرت سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے مسلسل ملاقاتی رہے ہوں گے ذیلدار پارک اچھرہ میں لیکن فیصل آباد منتقلی کے باعث خطوط سے متواتر رابطہ رہتا تھا اور

ان خوش قسمت مقلدین میں سے بھی تھا جن کو مرشدی سید مودودی اپنے ہاتھ سے بھی خط لکھ دیا کرتے تھے تب جب ان کے سیکرٹری غلام رسول کسی وجہ سے ٹائپ نہ کر پاتے تھے۔

ڈھیر سارے عملی و تحریری ثبوت اس وقت بھی نہ صرف میرے پاس محفوظ ہیں بلکہ اخبارات، جرائد و کتب میں بھی چھپ چکے ہیں۔ کبھی ملاقات ہوئی تو پیش کر دوں گا۔

چند ایک عملی و قلمی ثبوت

1. ۔حضرت میاں طفیل محمد صاحب مرحوم سے ایک شکایت کے بعد جمیعت چھوڑ دی تھی جب 1981ء میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں دو مخالف طلباء عبدلشکور اور گورائیہ ایک دنگے میں قتل ہو گئے اور مجھ پر بھی ایف آئی آر کٹی لیکن میاں صاحب خود وہاں جا کر جمعیت کے اراکین کی ضمانت کروا آئے لیکن مجھ سمیت تین رفقاء جمیعت کو نظر انداز کر دیا۔ اس وقت میں سوسائٹی آف اینیمل سائنسز کا صدر اور مین یونین میں نمائندہ فیکلٹی بھی تھا۔ میرے سیشن میٹ اور جماعت اسلامی کے موجودہ ڈپٹی سیکرٹری جنرل جناب اظہر اقبال صاحب بھی گواہ ہیں جو میرے سیشن میٹ رہے ہیں اگر وہ اپنی یادداشت پر زور دیں تو۔

2. ۔میری جرأت کی اس داستان یا حماقت پر آج بھی دوست انگشت بدنداں ہیں جب شہباز شریف ہی کی کمپنی میں ماحولیاتی ڈویژن کے سربراہ کے طور پر اس کے اور رانا ثناءاللہ کے خلاف روزنامہ جہان پاکستان میں کالم لکھ مارا "شکر ہے وہ خواب تھا" اور جس پر میری چیف منسٹر ہاؤس میں طلبی بھی ہوئی۔

3. ۔اپنے موجودہ سیاسی رہنماء عمران خان کی بھی جو حرکت مجھے ناگوار گزرتی ہے تو فوراً تنقیدی کالم داغ دیتا ہوں جن کی تعداد اس وقت تک چھ ہو چکی ہے تبھی مالشیوں نے

مجھے خان کے قریب بھی نہیں ہونے دیا۔ مگر نو پرابلم میں اپنی مستی میں مگن رہنے والا بندہ ہوں۔

4. اور بیشمار دیگر ایسے ہی واقعات ہماری زندگی کا حصہ ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لئے باٹم لائن اور تلخ حقیقت یہی ہے کہ جابر حاکم کے غلط احکامات پر کمپرومائز کبھی نہیں کیا اور چونکہ ہم ہر جگہ کمزور تھے اور مالش بھی نہیں کرنی آتی تھی اس لئے لڑائی جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ہم نوکریاں قربان کرتے رہے تبھی ہمیں چالیس سالہ دور چاکری میں 27 ادارے بدلنے پڑے حکومت پنجاب سمیت۔ گو کہ ہم بنیادی طور پر غذائی تحفظ سائنسدان ہیں لیکن کسی لالچ و طمع میں آئے بغیر فری لانسر شوقیہ مزاح و تجزیہ نگار بھی ہیں مگر مزے کی بات کہ صحافی ہرگز نہیں بنے اور نہ کبھی ایسا چاہا ہی۔ یہ بات روزنامہ خبریں کے ایک پرانے کارکن جناب محسن ظہیر سے بھی تصدیق کی جاسکتی ہے جو ہفت روزہ "صدائے پاکستان" نیویارک میں ہمارے باس بھی تھے سند و ہزار میں۔

5. محترم دوست کے ہمارے تخلیقی شاہکار پیش کرنے کے سوال پر ہم نے عرض کیا ہے کہ ہماری اپنی 43 کتب میں بہت کچھ مرقوم ہے لیکن وہ الگ بات کہ آپ جیسی اکثریت نہیں جانتی کیونکہ ہم برسوں دنیا کے پچیس دیگر ممالک میں کام سے اپنے ملک سے غیر حاضر رہے۔ ہم محترم دوست کو ایک اچھا لکھاری یا صحافی سمجھتے ہیں اسی لئے اپنی داستان سنا کر ان کا قیمتی وقت ضائع کیا ورنہ ہم اپنے بارے اکثر چپ کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں۔

تبصرے

Sultan Mahmood

سر آگر آپ اسے مبالغہ آرائی سے تعبیر نہ کریں تو میں آپ کے انداز تحریر اور سوچ و فکر کا ایک عرصے سے واقف بلکہ گواہ رہا ہوں یہی وجہ ہے کہ آپ نے جب جب میری کسی تحریر یا پوسٹ پر کومنٹس کئے میں نے ہمیشہ انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

آپ اپنے سے متعلق یہ ساری تفصیل نہ بھی بیان کرتے تو میں آپ کو اچھی طرح نہ بھی سہی بڑی حد تک جان چکا تھا اسی لیے آپ کے ساتھ کم از کم فیس بک کی حد تک ہی منسلک رہنے کو اپنے لئے اعزاز جانتا ہوں۔

آپ کی میری سیاسی سوچ کے زاویئے مختلف ضرور ہیں لیکن مجھے خوشی رہی ہے کہ آپ کی شخصیت کے حوالے سے میں نے ہمیشہ حفظ مراتب کا خیال رکھا ہے اور آپ سے رہنمائی کو ہمیشہ غنیمت جانا ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ اور آپ کے اہل و عیال کو صحت تندرستی اور سلامتی والی عمر طویل عطا فرمائے (آمین یارب العالمین)

امید رکھوں گا کہ آپ مجھ جیسے کم علم کی رہنمائی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں رکھیں گے

خوش رہیں اور یونہی خوشیاں بانٹتے رہیں والسلام علیک۔

ڈاکٹر

ہارون پاشا

آپ میرے قابل قدر بھائی ہیں۔ میں عموماً اپنے بارے ایسی تفصیلات بتانے کا عادی نہیں ہوں اور کسی بھی نئے پرانے سیاسی نظریے سے متصادم ہوئے بغیر اپنے من کا سفر جاری رکھتا ہوں جہاں اکثر آپ جیسے معتبر اور قابل دوست ملتے رہتے ہیں۔ ہاں فیصل آباد میں پچیس برس گزارنے کے باعث طنز و مزاح کی ایک بری سی عادت پڑ گئی ہے جسے میں دوستوں کی دل آزاری سے بچنے کی خاطر کافی محتاط انداز میں پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ کا بھی کبھی دکھ گیا ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔

"نون لیگی دماغ"

کالم میٹھا سچ 757 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور 13 فروری 2024ء

تیس چالیس برس سے ملک کے پانی کے بحران پر اپنے قیمتی تجزیات پیش کرنے والے ہمارے ایک انتہائی قابل قدر دوست سر سلیمان خان صاحب کا یہ فرمان کہ "دھاندلی ہوتی تو تحریک انصاف کے حمایت یافتہ امیدواران کو اتنے ووٹ نہ پڑتے" نے حیران کر کے رکھ دیا ہے کیونکہ یہ ان کی موجودہ دھاندلی پر ایک خود ساختہ تعلی اور دلیل ہے۔ ہم نے عرض کرنے کی جرأت کرتے ہوئے انہیں لکھا ہے کہ دنیا بھر میں یہ شور تو نہیں مچا ہوا کہ ووٹنگ میں دھاندلی ہوئی۔ اصل دھاندلی ووٹوں کی گنتی (پوسٹ الیکشن رگنگ) ہے کیونکہ فارم 47 فارم 45 کے مطابق تیار نہیں ہوئے۔ اگر ووٹنگ کے دوران پی ٹی آئی کے امیدواران پر لگی پابندیوں کا ذکر کریں تو اسے بیلٹ پیپر رگنگ کہیں گے حالانکہ یہ بھی ہوئی۔

اس سے قبل کی پری پول رگنگ تو ایک انتہائی شرمناک مرحلہ تھا جو سولہ ماہ جاری رہا اور یہ کارنامہ یا ڈرامہ خفیہ اشارے پر کرپٹ خاندانی تاریخ رکھنے والے اعلیٰ عدلیہ کے ایک جج سمیت صحافیوں اور اسٹیبلشمنٹ کے دیگر اداروں نے اینٹی عمران مہم کے طور پر بڑھ چڑھ کر رچایا۔

ان تینوں مرحلوں میں اگر آزادی دی گئی ہوتی تو کل ڈالے گئے چھ کروڑ ووٹوں میں سے پانچ کروڑ عمران کے تھے جسے اس ساری گھناؤنی مہم میں پھر بھی دو کروڑ سے کم کر کے نہیں دکھایا جا سکا۔

موصوف نواز شریف کے ڈائی ہارڈ فین ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ ایک باشعور، تعلیم یافتہ اور ایماندار پروفیشنل بھی ہیں۔ ہم نے انہی کے ذمے ایک سیلف ٹیسٹ لگاتے ہوئے عرض کیا ہے کہ حضور

ہمیں نہ بتایئے لیکن کسی وقت خود مسجد میں بیٹھ کر خاموشی سے اپنے ضمیر کو ٹٹول کر، نواز شریف سے محبت اور عمران سے نفرت سمیت، اس سارے انتخابی عمل کا جائزہ لیجئے اور اپنے آپ کو ہی جواب دیجئے کہ کیا پچاس ارب روپیہ لگا کر بھی بیلٹ بکس ڈسٹ بن ثابت نہیں ہوئے؟ ہم کبھی شک نہیں کر سکتے کہ آپ کسی غلط نتیجے پر پہنچیں گے۔

نیز ایک اہم نکتے پر ضرور اور مکمل سوچئے گا اور وہ ہے آپ کے دماغ میں درست، دیانتدارانہ اور آزادانہ تجزیے کی طاقت۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ قومی میڈیا پر اپنے ڈھیر تجربے پر مشتمل ایماندارانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیات کو داغدار نہیں ہونے دینگے۔

"خاندانی منصوبہ بندی"

کالم میٹھا سچ 758 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 13 فروری 2024ء

صبور

کل میں نے فیملی پلاننگ اور بچوں کی تعداد خوامخواہ بڑھانے پہ ایک پوسٹ پڑھی، اس پہ ایک میچور ، پڑھی لکھی شخصیت کا کومینٹ کچھ ان الفاظ میں تھا" آپ فطرت کے بہاؤ کو کیسے روک سکتی ہیں، ہوا ، پانی روشنی ہو تو پودے خود بخود اگ آتے ہیں"۔

.. میں شام تک تو اسی کومینٹ پہ کڑھتی سڑتی رہی

ڈاکٹر

پڑھے لکھے معاشرے اس لئے زیادہ تیزی سے ترقی کی سیڑھیاں طے کرتے ہیں کہ انہیں لفظ پلاننگ یا منصوبہ بندی کے معنی آتے ہیں اور وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ یہ لفظ ہمارے معاشرے کی سمجھ اور عمل سے ہنوز بالاتر ہے۔

ایک کریہہ مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ حوائج ضروریہ ہمارے سسٹم میں ہر وقت خارج ہو کر جمع ہوتے رہتے ہیں مگر ہم کسی بھی جگہ بیٹھے بیٹھے انہیں خارج نہیں کرتے بلکہ ان کے لئے مخصوص جگہوں پر جاتے ہیں۔ یہی تہذیبی پلاننگ ہے جو جنگل کے انسان نے وقت کے ساتھ اختیار کی۔

بالکل ایسے ہی انسان میں حیاتیاتی مواد بھی ہمہ وقت بن کر جمع ہوتا رہتا ہے جس کے لئے تہذیبی پلاننگ کے مطابق انسان نے اوقات اور جگہ مقرر کر رکھی ہے۔ اسی پلاننگ کی سب سے مہذب شکل خاندانی منصوبہ بندی ہے جس کا تعلق تعلیم سے زیادہ شعور سے ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں

جنسی اختلاط کو ذمہ داری سے زیادہ عیاشی سمجھا جاتا ہے اس لئے ہم نے بچوں کی کثیر تعداد میں مذہب کو ڈال کر نقادوں کا منہ بند کر رکھا ہے اور آج بھی ترقی یافتہ دنیا کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں۔

برصغیر کی ایک نیم مذہبی و نیم سیاسی عالمی تنظیم کا آج میں اعلیٰ عہدے دار ہوتا لیکن وہاں میری بالغ نظری کو گستاخی سمجھ لیا گیا کیونکہ اس تنظیم کے بانی سائنسی و معاشرتی علوم رکھنے کے باوجود صدر ایوب سے سیاسی مخالفت پر اپنا نکتہ نظر پچھلی صدی میں تحریر کر چکے تھے۔ میرا جرم یہ تھا کہ میں نے ان کے مقلدین کے سامنے بدلتی دنیا والا استدلال پیش کیا تھا۔

میں نے کسی مستند عالم سے یہ بات سن رکھی ہے کہ حضور اکرم صلعم بھی اپنے طریقے کے مطابق خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرتے تھے۔ اس لئے آج کے دور کعت کے امام اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر معاشرتی تقاضوں سے بے بہرہ افراد کو چھوڑ کر چین، جاپان، یورپ و امریکہ جیسے باشعور معاشروں کو دیکھیں تو اس موضوع پر عوام کے خیالات جاہلانہ حد تک عقل عمومی سے بھی نیچے گرے ہوئے ہیں۔

"ویلنٹائن ڈے"

کالم میٹھا سچ 759 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 فروری 2024ء

مغرب میں ویلنٹائن ڈے یا یوم گناہ شاید اسی درد بھری حقیقت کے باعث رواج پا گیا تھا نیز شاید اسی وجہ سے رومانوی شاعری اور ادب بھی تخلیق ہو گیا کہ محبت کبھی کبھی یاد دلاتی ہے کہ دو چاہنے والے دل یا تو ایک زمانے میں پیدا نہیں ہوتے یا ایک مقام پر موجود نہیں ہوتے یا ایک زمانہ اور ایک مقام ہونے پر ہونے کے باوجود ایک وقت پر مل نہیں سکتے۔

"ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں"

کالم میٹھا سچ 760 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 فروری 2024ء

ہمارے ایک انجینئر دوست کی عین ویلنٹائن ڈے پر شادی وقوع پذیر ہو گئی جبکہ ایشیاء ابھی اس دن کی رنگینیوں سے بے خبر تھا۔ مبارکبادوں کے مچے شور میں ہم بھی "ڈسے ہوئے" انداز میں انہیں شادی کی بھرپور مبارکباد دینے پہنچ گئے

اور مندرجہ ذیل "سہرا" پیش کیا:

دیکھا ایشین کس قدر نا سمجھ واقع ہوئے ہیں جنہیں دس بیس برس پہلے تک آپ کے ساتھ 39 برس قبل گزرے اس "سانحہ کی خبر نہ ہو سکی مگر یورپ کو جونہی بی بی سی اردو سروس کے ذریعے آپ کی "بے خبری" میں سجائے سرخ پھولوں کی خبر ہوئی وہ آپ کی اتباع میں "یوم محبت" کا آغاز کر کے بازی لے گیا اور جیسے جیسے سوشل میڈیا کے ذریعے آپ کے ساتھ روا رکھے گئے "سلوک" کا احساس ہوا بے قدرے ایشیائی، مغرب سے نقل کر کے ہی سہی، آپ کی سنت عام کرنے لگ گئے ہیں اور اب ہر سال ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں۔

سو میں سے سو سلیوٹ ہمارے ٹرینڈ سیٹر ہیرو جس نے مغربی طرز کی بے راہ روی والے "یوم گناہ" کو باعزت جہت بخشی اور سارے پھولوں سمیت اپنی محبت کو حق زوجیت بخشا۔

آپ دیکھ لینا ایک نہ ایک روز پوری دنیا میں آپ کی "پولیٹیکل انجینئرنگ" والی دوسری سنت بھی ویلنٹائن ڈے ہی کی طرح رواج پا جائے گی یعنی پوری دنیا عمران خان سے اصولی کی بجائے ذاتی نفرت شروع کر دے گی اور جیسے پہلے والی آپ کی لاعلمی رنگ لائی ہے ایسے ہی دوسری والی غلط فہمی بھی عام ہو جائے گی۔

اس تمہید طولانی کے بعد بھا بھی صاحبہ کی برداشت پر بھی "تمغہ حوصلہ افزائی" بنتا ہے جو بچاری نہ چاہتے ہوئے بھی شاید عمران سے نفرت کرنے لگ گئی ہوں۔

فقط آپ کا پاٹا پر انا دوست ڈاکٹر سلطان محمود جوہر ویلنٹائن ڈے پر سرخ پھول کی بجائے اپنے ماتھے پر زناٹے دار سرخ نشان سجالیتا ہے اپنی اکلوتی بیگم کے اس طعنے کے ساتھ کہ "آپ ویلنٹائن ڈے پر کس بے بے کے پاس تھے جو چار دن تاخیر سے 18 فروری کو دو سو مفت خورے باراتیوں کو لے کر آن پہنچے تھے "ب؟

اللہ آپ کو طویل مدت تک شادمان رکھے۔ آمین

"زبان دانی"

کالم میٹھا سچ 761 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 فروری 2024ء

ایک بہت بڑے دو یونیورسٹیوں کے ریٹائرڈ پروفیسر، ڈاکٹر، ڈین، چیرمین اور وی سی شپ کے امیدوار کی ناقابل تردید انگریزی

"She don't has capability"

انعام ملک: وہ اردو کے پروفیسر ہونگے

ڈاکٹر

جی نہیں صاحب وہ تیس برس بچوں کو انگریزی میں مرغی خانے کے وہ نوٹس پڑھاتے رہے جو انہوں نے پچاس برس قبل کے اپنے زمانہ طالب علمی سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ بحیثیت طالب علم اکثر اے گریڈ مار جاتے تھے کیونکہ تمام اساتذہ کے دفتری کلرکس میں انہوں نے اپنی برادری کا کوئی نہ کوئی بندہ ڈھونڈ رکھا تھا جو پیپر میں آنے والے چند سوالات راز کے ساتھ انہیں بتا دیتا تھا اور پھر موصوف کا رٹہ اتنا کمال کا تھا کہ جیسے نل سے پانی بہتا ہے۔ مزے کی بات کہ سارا سلیبس انہیں زبانی یاد تھا لیکن معنی کسی بھی ٹرم کے نہیں آتے تھے۔ آخاہ اس قادر و عادل کی دنیا میں کیسے کیسے تماشے ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ہم تو اکثر محو حیرت ہی رہتے ہیں۔

"لبرلزم کے معنی"
کالم میٹھا سچ 762 از ڈاکٹر سلطان محمود
کایور، 15 فروری 2024ء
محمود فیاض
مجھے لبرلز میں کم ہی کوئی نظر آتا ہے جو دوسروں کی رائے کا احترام کرے۔ مذہبی لوگوں میں پھر بھی پانچ فیصد لوگ ایسے ملے ہیں جو مانتے ہیں کہ آپ کی رائے مختلف ہونا آپ کا حق ہے۔ لبرلز عموما سائنسی معلومات کو، عقائد کی طرح پوجتے ہیں، اور اختلاف کرنے والے کی عقل کا، مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ عمومی طور پر انکا خیال یہ ہوتا ہے کہ مغرب کو سائنس کا امام مان کر معاشرت کی نماز کے سجدے بھی اسی رخ میں کیے جائیں۔
ڈاکٹر
سر جی کسی کا ٹھٹھہ لگانا تو بالکل ہی جاہلانہ حرکت ہے لیکن درست سائنسی معلومات عقائد سے بہت اوپر کی بات ہے کیونکہ کم از کم ہم اپنی اپنی عقل کی بنیاد پر اسے ناپ تول کر مطمئن تو ہو سکتے ہیں۔ ہاں عقیدے کے سلسلے میں عرض ہے کہ ہمیں عقیدے کی بجائے عقیدت پالنی چاہیئے تاکہ ہم ذاتی نفسیاتی طور پر بھی شادمان رہیں اور اجتماعی اختلافات سے بھی پرے رہیں۔
سالک حمید خواجہ صاحب کی پوسٹ پر سب سے پہلے تو ان کی خوبصورت اردو کی داد دینی بنتی ہے۔ بڑے شوق سے پڑھا ہے میں نے۔ چونکہ زبانوں سے محبت کرنے والا پرانا عاشق ہوں اس لئے ان کی تحریر نے لطف دیا۔

اگر گستاخی نہ سمجھیں تو لبرل ازم کو اس کے اصل مفہوم میں لیں اور کمتر دینی عقائد والوں کے گھڑے گئے معانی پر نہ جائیں۔ آج تک کی تاریخ تک اسلام سب سے بڑا لبرل عقیدہ ہے جسے ظالموں نے مذہبیت کا رنگ دے کر گھٹن کا شکار کر دیا ہے۔

اور اس بات کا پتا تب چلتا ہے اگر دین کے ساتھ ساتھ سائنس کو بھی سمجھا جائے۔

برائے ایک مبصر

درست کہا آپ نے۔ جب کنزرویٹو سوچ جدید علوم کا احاطہ یا مقابلہ نہیں کر سکتی تو لبرل کے معانی جانچے بغیر ان پر لادینیت کا ٹھپہ ثبت کر دیا جاتا ہے حالانکہ قدامت پسند ساری زندگی سائنس کی کامرانیوں کے سہارے بسر کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ عقیدہ پرستی ہی ہمیں تنگ نظر کرتی ہے جبکہ سائنسی علوم تو وسیع النظر کر دیتے ہیں۔

"میری سیاسی تربیت"

کالم میٹھا سچ 763 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 فروری 2024ء

برائے ہارون پاشا

معزرت کے ساتھ یہ جانبدارانہ تبصرہ تو خیر ہے ہی لیکن منصفانہ ہر گز نہیں۔ آپ ہر بار خلائی مخلوق والی بنیادی بات بھول کر سطح آب پر ہی تیرتے رہتے ہیں۔

جن باتوں کی میں نے نشاندہی کی ہے ان کا اگر علمی طور پر جواب دیتے تو خوشی ہوتی ورنہ ایسے الزامات تو قوم یوتھ ہر کسی پر اور ہر روز ہی لگاتی رہتی ہے

ڈاکٹر

حضور آپ کی بات ہر گز علمی نہیں تھی بلکہ سطحی سیاسی تھی مگر جواب بھرپور علمی ہی تھا۔ ذرا گہرائی میں بھی اترنے کی بھی زحمت کر لیا کریں۔

سر جی محض سیاستدانوں کی غلطیاں چنتے رینا اور وہ بھی ترجیحاً صرف عمران پارٹی کی، در حقیقت سطحی سوچ ہے اور اسٹیبلشمنٹ کے کرتوت نظر انداز کر جانا کہ انہوں نے آج تک پارلیمان کو ایک آزاد ادارہ کیوں بننے نہیں دیا اس پر خاموش رہنا۔

پاشا بھائی ہمیں بزدل یا کمپرومائز کرنے والا مت سمجھئے گا الحمدللہ جمعیت کا ٹرینڈ ہوں اعلی حضرت لیاقت بلوچ کے ہاتھوں کا تربیت یافتہ اور جناب شاہد اسلم کا جونئیر ساتھی نیز سابقہ صدر یونین جناب حافظ وصی محمد خان صاحب کا نمک خوار۔ گیارہ برس جمیعت کی خدمت کی اور اس وقت شاید ان چند لوگوں میں سے ہوں گا جو حضرت سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے مسلسل ملاقاتی رہے ہوں گے ذیلدار پارک اچھرہ میں لیکن فیصل آباد منتقلی کے باعث خطوط سے متواتر رابطہ رہتا تھا اور

ان خوش قسمت مقلدین میں سے بھی تھا جن کو مرشدی سید مودودی اپنے ہاتھ سے بھی خط لکھ دیا کرتے تھے تب جب ان کے سیکرٹری غلام رسول کسی وجہ سے ٹائپ نہ کر پاتے تھے۔
ڈھیر سارے عملی و تحریری ثبوت اس وقت بھی نہ صرف میرے پاس محفوظ ہیں بلکہ اخبارات، جرائد و کتب میں بھی چھپے چکے ہیں۔ کبھی ملاقات ہوئی تو پیش کر دوں گا۔
چند ایک عملی و قلمی ثبوت

1. حضرت میاں طفیل محمد صاحب مرحوم سے ایک شکایت کے بعد جمیعت چھوڑ دی تھی جب 1981ء میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں دو مخالف طلباء عبدالشکور اور گورائیہ ایک دنگے میں قتل ہو گئے اور مجھ پر بھی ایف آئی آر کٹی لیکن میاں صاحب خود وہاں جا کر جمیعت کے اراکین کی ضمانت کروا آئے لیکن مجھ سمیت تین رفقاء جمیعت کو نظر انداز کر دیا۔ اس وقت میں سوسائٹی آف اینیمل سائنسز کا صدر اور مین یونین میں نمائندہ فیکلٹی بھی تھا۔ میرے سیشن میٹ اور جماعت اسلامی کے موجودہ ڈپٹی سیکرٹری جنرل جناب اظہر اقبال صاحب بھی گواہ ہیں جو میرے سیشن میٹ رہے ہیں اگر وہ اپنی یادداشت پر زور دیں تو۔
2. ۔میری جرأت کی اس داستان یا حماقت پر آج بھی دوست انگشت بدنداں ہیں جب شہباز شریف ہی کی کمپنی میں ماحولیاتی ڈویژن کے سربراہ کے طور پر اس کے اور رانا ثناء اللہ کے خلاف روزنامہ جہان پاکستان میں کالم لکھ مارا "شکر ہے وہ خواب تھا" اور جس پر میری چیف منسٹر ہاؤس میں طلبی بھی ہوئی۔
3. ۔اپنے موجودہ سیاسی رہنماء عمران خان کی بھی جو حرکت مجھے ناگوار گزرتی ہے تو فوراً تنقیدی کالم داغ دیتا ہوں جن کی تعداد اس وقت تک چھ ہو چکی ہے تبھی

مالشیوں نے مجھے خان کے قریب بھی نہیں ہونے دیا۔ مگر نو پرابلم میں اپنی مستی میں مگن رہنے والا بندہ ہوں۔

اور بیشمار دیگر واقعات۔ مگر باٹم لائن اور تلخ حقیقت یہی ہے کہ جابر حاکم کے غلط احکامات پر کمپرومائز کبھی نہیں کیا اور چونکہ ہر جگہ کمزور تھا اور مالش بھی نہیں کرنی آتی تھی اس لئے نوکریاں چھوڑ آتا تھا تبھی مجھے چالیس سالہ دور چاکری میں 27 ادارے بدلنے پڑے حکومت پنجاب سمیت۔ گو کہ بنیادی طور پر غذائی تحفظ سائنسدان ہوں لیکن کسی لالچ و طمع میں آئے بغیر فری لانسر شوقیہ مزاح و تجزیہ نگار بھی ہوں مگر مزے کی بات کہ صحافی ہر گز نہیں بنا اور نہ کبھی ایسا چاہا۔ یہ بات آپ روزنامہ خبریں کے ایک پرانے کارکن جناب محسن ظہیر سے بھی تصدیق کر سکتے ہیں جو ہفت روزہ "صدائے پاکستان" نیویارک میں میرے باس بھی تھے سن دو ہزار میں۔
میرے تخلیقی شاہکار میری اپنی 43 کتب میں مرقوم ہیں لیکن وہ الگ بات کہ آپ جیسی اکثریت نہیں جانتی کیونکہ میں 25 دیگر ممالک میں برسوں کام کرتا رہا ہوں۔ میں آپ کو ایک اچھا لکھاری یا صحافی سمجھتا ہوں اس لئے مندرجہ بالا تفصیلات بتا کر آپ کا وقت ضائع کیا ورنہ چپ کو ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔

"کامن سینس"

کالم میٹھا سچ 764 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، ؟؟ فروری 2024ء

ہم نے لگ بھگ دو دھائیاں قبل "" کی بنیاد رکھی تھی کیونکہ ہم یوں کرتے تھے کہ

کھلے عام ڈکار مار کر زور سے شکر ادا کرتے ہیں۔

قطار میں بائیکس چلاتے چلاتے سڑک سے نیچے اتار لیتے ہیں۔

رومال یا ٹشو پیپر استعمال کرنے کی بجائے کف استعمال کرتے ہیں۔

استعمال کے بعد کموڈ کا ڈھکن کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

"پھوکے شاعر"

کالم میٹھا سچ 765 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 15 فروری 2024ء

ہر اک تصویر میں کھلتا ہوا چہرہ نظر آئے
یہ کارِ فن ہے جو سب کے لئے ممکن نہیں ہوتا

شاعر: میاں وقار الاسلام

کیا یہ شعر تھا ہے یا کوئی نثری نمونہ تھا؟ اگر شعر ہے تو پھر غور کر لیں تکنیکی طور پر یہ شعر کی تعریف پر پورا نہیں اتر رہا۔ کیا یہ آپ کا ذاتی فیصلہ ہے کہ یہ شعر ہے یا کسی استاد نے بھی ایسا کہا ہے؟ کسی سے اصلاح بھی لی تھی؟

جی دو استادوں نے دیکھا ہے

وہ دونوں کس اتھارٹی سے استاد کہلاتے ہیں؟

ڈاکٹر شہناز اور اعتبار ساجد نے دیکھا ہوا ہے

یہ دونوں اچھے شعراء ہیں مگر استاد نہیں۔

معاف کیجئے گا میرے استاد کاشف بٹ صاحب نے اسے شعر ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں عروض، وزن، پیغام اور بلاغت چاروں چیزیں مفقود ہیں

خیر جانے دیں کون سا اس پر انعامی مقابلہ ہونا ہے؟

پھوکے شاعر ایسے شعر کہہ کر اصلی شاعری کا بیڑہ غرق کر دیتے ہیں جیسے

چھنے وچ رچھ پھسیا۔۔۔

ہولی ہولی ٹر گڈیئے۔۔۔

کی ہو یا سیکل نوں؟
"کیا ایم بی بی ایس بھی عطائی ڈاکٹر ہو سکتا ہے؟"
کالم میٹھا سچ 766 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، ؟؟ فروری 2024ء

پاکستان اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر طارق میاں صاحب نے نگران حکومت کے اس فیصلے پر آف فیملی فزیشنز PSFP احتجاج کیا ہے کہ ڈاکٹر اپنے نسخے پر وٹامنز اور دیگر فوڈ سپلیمنٹس نہیں لکھ سکتے۔ ہم نے ستائیس برس قبل اسی تنظیم کی اعزازی رکنیت اور رکن ایگزیکٹو کونسل کے حوالے سے جناب صدر کو لکھا ہے کہ سرویسے یہ فزیشن کاڈومین ہے بھی نہیں۔ ایک بار ہم نے خود یہ تحریک چلائی تھی کہ "ریفرل سسٹم" چلنا چاہئے۔ گو کہ ایک نجی محفل میں میں نے خود ڈاکٹر طاہر صاحب سے سنا کہ "آندے مریض نوں کون جان دیندا اے؟" جس سے اس مصنوعی تحریک کی ناکامی کی مجھے تبھی سمجھ آگئی تھی۔

ڈاکٹر بشیر مرحوم نے اپنے دست مبارک سے مجھے 1997ء میں اس پیشہ ور تنظیم کی رکنیت بخشی تھی یہ کہتے ہوئے کہ آپ ہمارے ڈاکٹرز کو نیوٹریشن سکھائیں کیونکہ تب اس مضمون میں غالباً میں ہی میدان میں تھا اور میں ان کے حکم کی تعمیل میں بشیر میڈیکل کمپلیکس میں کوئی سال بھر لیکچر دیتا بھی رہا۔ ڈاکٹر فرخ محمود اس کے گواہ ہیں۔ مگر سب باتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

ترقی یافتہ دنیا میں تو فیملی فزیشن کسی برانڈ کی دوا بھی نہیں لکھ سکتا صرف سالٹ لکھتا ہے اور اس بات کا قانون بھٹو گورنمنٹ میں وزیر صحت شیخ رشید مرحوم نے بھی جنیرک دواؤں کے نام سے بنایا تھا جسے پی ایم اے وغیرہ نے ناکام بنا دیا تھا۔

اگر ایم بی بی ایس ڈاکٹر کے علاوہ کوئی معالج مریض کو دوا کا نسخہ تجویز کر دے تو اسے فوراً اتائی معالج کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے تو کیا فوڈ سپلیمنٹس وغیرہ اپنے نسخے پر لکھنے سے ڈاکٹرز خود بخود عطائیت کا شکار نہیں کہلائیں گے ؟

"ریٹائرمنٹ اور ملازم کا ضمیر"

کالم میٹھا سچ 767 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 فروری 2024ء

ایک دوست نے پوچھا ہے کہ سرکاری ملازمین کا ضمیر ساری ملازمت سوئے رہنے کے بعد ریٹائرمنٹ کے قریب ہی کیوں جاگتا ہے؟

ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ ریٹائرمنٹ کے قریب آکر اگر ضمیر جاگ جائے تو بھی غنیمت ہے لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھیں تو سابقہ گناہ نہ بخشے جائیں گے جب تک اصل حقداروں تک ان کا حق نہ پہنچا دیا جائے یا انکے پہنچنے والے نقصان کا تقوے کے مطابق مداوا نہ کر دیا جائے۔ اس سخت گیر نکتہ نگاہ سے دیکھیں تو ہر سرکاری و غیر سرکاری ملازم کی آمدن حرام ٹھہرے گی۔

جب ماضی کے حرام خوروں (یعنی اختیار کا ناجائز استعمال بلکہ خلاف قواعد دیر سے پہنچنا یا کام بند کر کے جلد اٹھ جانا یا مکمل یا جُزوی جھوٹے ٹی اے ڈی اے لے لینا یا دوران ڈیوٹی نجی کام کرنا وغیرہ بھی حرام خوری ہے) کو حرام کمائی کے رستے بند ہوتے نظر آتے ہیں تو لوٹ مار کے حرام پیسے سے عمرہ اور حج کی تیاری پکڑ لیتے ہیں۔ لمبی داڑھی اور پانچ وقت کی نماز سابقہ حرام کر توتوں کو تب تک دھو نہیں سکتی جب تک حقداروں کو ان کا مال اور عزت واپس نہیں کر دی جاتی اور حکومتی اختیارات کے غلط استعمال کا مداوا نہیں کر دیا جاتا۔

مجھے تبلیغی جماعت کے ظاہری مشن سے اختلاف نہیں لیکن ان کی اس سادگی سے بھرپور اختلاف ہے کہ جس میں انہیں سکھایا جاتا ہے کہ اللہ کے رستے پر چل پڑو اور یہ وظیفہ کر لو اور فلاں جگہ چلہ کاٹ لو تو اللہ معاف کر دے گا۔ لیکن میں نے کبھی کسی تبلیغی بھائی یا کسی اور مذہبی گروہ کے اراکین کو پچھلی زندگی کی لوٹ مار واپس کرتے نہیں دیکھا۔ جہاں تک مجھے دین کا علم ہے اصل چیز خدا کا

خوف اور قلبی طہارت ہے جو کنویں سے کتا نکالے بغیر محض چند بالٹیاں پانی نکالنے سے نہیں حاصل ہوتی۔

ایک مثال پیش کرتا ہوں گناہ جاریہ اور ثواب جاریہ کی۔

ایک سرکاری ملازم دوران نوکری کچھ ایسے احکامات جاری کرتا یا کرواتا ہے جس سے حکومتی خزانے کو نقصان پہنچ جاتا ہے یا نقصان نہ پہنچے تو کسی ماتحت یا عوام کی یا کسی شخص کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے تو کیا ریٹائرمنٹ کے بعد حج عمرے سے اس کے گناہ کا مداوا ممکن ہے؟ اور بصورت دیگر ایک ملازم قواعد کے مطابق کام کرتے ہوئے کسی مستحق کے روزگار کا بندوبست کر دیتا ہے تو کیا اس کی نیکی ثواب جاریہ کہلا سکتی ہے کہ نہیں؟

یہ فیصلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو اللہ ہی کرے گا۔ ہم صرف اپنے مفاد اور پسند کے تحت سیکھے گئے دین سے خود اپنی بخشش کے چاہے ہزاروں وظیفے پڑھ لیں نیز صوم و صلوٰۃ و حج عمرے کر لیں وہ بے توقیر ہی رہیں گے۔

"ڈاکٹر کہلانے کا شوق"

کالم میٹھا سچ 768 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 18 فروری 2024ء

کسی محترمہ کی پوسٹ پڑھی کہ "ڈگری نہیں ہنر دیجئے" تو ہم کہہ اٹھے کہ واقعی یہ مشورہ درست ہے اور ساتھ ہی ہمیں بیشمار "ڈاکٹر" یاد آ گئے جو وقتاً فوقتاً اپنی نالائقیاں سوشل میڈیا پر بکھیرتے نظر آتے رہتے ہیں۔

چند دل شکن امثال ہر ذرا غور کریں۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی تحریر و تقریر میں اس قدر جاہل ہیں کہ P Hd لکھا گیا ہے۔

فیس بک پر بننے والے 1740 پی ایچ ڈی والے گروپ کے نام میں

اسے

اور کسی نے اسے درست کرنے کی جانب دھیان نہیں دیا۔ وسعت اللہ خان جیسے بڑے بڑے لکھاری دانشور "اراکین" کو "ممبران" لکھتے ہیں۔ مضبوط کو مظبوط لکھنا اتنا عام ہے کہ جیسے قوم کی رہنمائی کا جذبہ رکھنے والا ایک گدھا سیاستدان بھی "عام آدمی" کو "مینگو مین" کہہ اٹھا۔ تیس برس پرانی پی ایچ ڈی والا ایک پروفیسر جو کئی بار ڈین بھی رہا اور پینتیس برس بچوں کو

he انگریزی میں لیکچر دیتا رہا اور لکھتا رہا اور بھیڑوں بکریوں کو انگریزی میں شیپاں گوٹاں

اور میڈیا کے اوپر doesn't have has he don't کہتا ہے۔

ابھی ان "ڈاکٹرز" کی تو بات ہی چھوڑیں جو صاحبہ کتاب ہیں اور "فلائیٹ" کو "فلیٹ" لکھتی ہیں۔

اس کے مقابل ان کاریگروں کی اہمیت دیکھئے جو سرد موسم کے آغاز پر محض گیزر چلانے کا پانچ سو روپیہ اور بیٹری کیساتھ دوسری بیٹری لگا کر گاڑی سٹارٹ کرنے کا آٹھ سو روپیہ لے رہے ہیں اور

ایک پی ایچ ڈی جن کا منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ پی ایچ ڈی کتابیں لکھتا ہے مگر صرف کمپوزنگ کی مد میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ ایک ہنر مند ٹائپسٹ کو ادا کرنے پر مجبور ہے۔ یعنی ہر سکالر ہنر مند کا مرہون منت ہے۔ لیکن ہنر مند کسی سکالر کا دست نگر نہیں۔

جب میں چھتیس برس قبل یورپ میں ڈاکٹریٹ کرنے گیا تو اس سوال پر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ ایک ایسا شخص جو نہ استاد ہے اور نہ انڈسٹری میں کوئی ہنر مند اسے پی ایچ ڈی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ لیکن آج یونیورسٹیوں میں ذرا لانز اور کوریڈورز میں ایک دوسرے سے چپکے ہوئے لڑکے لڑکیوں کے جھنڈ کے جھنڈ دیکھ لیں۔ ہر کوئی پی ایچ ڈی کی تڑپ لئے ہوئے ہے مگر ذریعہ معاش ہاتھ میں نہ ہونے کے سبب وقت کو مزید برباد کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔

ابھی ہم ان مچھندروں کا ذکر دوبارہ نہیں چھیڑیں گے جو جعلی ڈگریاں خریدے بیٹھے ہیں یا ایم بی بی ایس والی گریجویٹ ڈگری، وٹرنری کی ڈگری، ہومیوپیتھک ڈپلومے وغیرہ کی اصلی تعلیم پر بھی اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلانے پر مصر ہیں یا جن کی ڈگری ہی میں ڈاکٹر لکھ دیا گیا ہے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ خیر میرے ایک بہترین مربی کہیں ناراض نہ ہو جائیں لیکن ہماری بھی انگلیاں لکھنے سے باز نہیں رہ سکتیں۔ موصوف دوسروں کی دس ہزار کتب کو اپنے فورم پر خالی درج کرنے کے بعد مصنف کہلوا رہے ہیں نیز ایک کالم کو بھی کتاب کا درجہ دیے بیٹھے ہیں اور اب تو آہستہ آہستہ ایک بے مغز سی گفتگو میں اپنی مصنوعی ذہانت سے بنائی "غیبی پی ایچ ڈی" کا ذکر بھی تیزی سے کرنے لگ گئے ہیں۔

ہماری بیکار یوتھ کس سمت جا رہی ہے اور انہیں کون لے جا رہا ہے اس پر روشنی ڈالنے سے قبل پینسٹھ فیصد نوجوانوں والے ملک میں بطور آزمائش ذرا انہیں کوئی ذمہ داری تو دے کر دیکھیں کہ

کیسے ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے اور اس بات کا ان کے پاس کوئی جواز نہیں کہ ان تمام "ڈاکٹریوں" والے کاغذ کے بیکار ٹکڑے جمع کرنے کے باوجود وہ مغرب میں برتن کیوں مانجھ رہے ہیں؟

"اصل یہودی لابی"

کالم میٹھا سچ 769 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 فروری 2024ء

جیو نیوز نے خصوصی رپورٹ دی ہے کہ چیف جسٹس فائز عیسی کی طرف سے ایک مقدمہ میں قادیانی قرآن ناشر کو رہا کر دیا گیا ہے ساتھ ہی اس کے مقدمے میں سے دفعہ قرآن کریم توہین 295بی اور قادیانی قرآن چھاپنے پر پابندی 1973 والی دفعہ بھی ختم کر دی ہے مذمت سے بات بھی آگے چلی گئی ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے اتنے بڑے کلیدی عہدے پر ایسے ذلیل کو کس نے بٹھایا؟

میں مندرجہ بالا سوال پر یہودی لابی کے قابل بھروسہ ایجنٹ نواز شریف کو ذمہ دار قرار دیتا ہوں جس نے کراچی کے معمولی پریکٹیشنر فائز عیسیٰ کو لندن کے دو فلیٹوں کے عوض خرید کر بلوچستان ہائیکورٹ میں جج مقرر کیا۔ اس پر بار میں خوب ہنگامے ہوئے اور بہت سے وکیلوں نے ہڑتال کر دی جن کو منانے، میں نے فائز کے بڑے بھائی عظمت عیسیٰ کے ساتھ چار سال کوئٹہ میں کام کیا ہے اور اس سارے خاندان کے کرتوت اور تاریخ سے بھی واقف ہوں۔

1996 کی بلوچستان بار کے اراکین، سابق اٹارنی جنرل بلوچستان یعقوب یوسفزئی، ریٹائرڈ چیئرمین کیو ڈی اے مرحوم اختر خان، سابق چیئرمین پی اینڈ ڈی مرحوم انور شاہ صاحب، کاسی قبیلے کے سربراہ افضل کانسی، سابق اٹارنی جنرل پاکستان یحییٰ بختیار کے سیکرٹری عارف شاہ، سابق سینیٹر روشن خورشید بروچہ، سابق ایم پی اے سعید ہاشمی، سابق وزیر سیف اللہ پراچہ کے داماد احمد جان، قبیلے کے دو دامادوں کمال مری اور عبدلباسط اور ان سب کے علاوہ شاعر عطا شاد اور امداد نظامی سمیت کئی سینئیر صحافیوں سے میرے خاصے قریبی تعلقات تھے اور میر اروٹری کلب کے توسط سے سرینا

ہوٹل اور سوزا ہوٹل کے چائے خانے میں معمول کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ سبھی معززین قاضی خاندان کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اکثر و بیشتر اس خاندان کے "کارناموں" کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمارے بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام بورڈ کی ایک ڈائریکٹر فائز کے چچا موسیٰ قاضی کی بیگم محترمہ جینیفر موسیٰ بھی عظمت قاضی اور دیگر خاندان کی بدعنوانیوں سے بخوبی واقف تھیں بلکہ مجھے یاد ہے کہ ان کے گھر واقع پشین میں ایک ملاقات میں انہوں نے ہماری شکایات پر اپنے بھتیجے عظمت عیسیٰ کے خلاف قانونی کاروائی کی بھی حمایت کی اور عظمت کے خلاف چیئرمین بورڈ انور شاہ صاحب کو ایک خط بھی لکھا جس کی نقل میرے پاس محفوظ ہے۔ بعد ازاں پتا چلا کہ قاضی عظمت بلوچستان کے غرباء کے فنڈز میں سے پچھتر لاکھ کھا گیا۔ 1997ء کا پچھتر لاکھ آج کا تین کروڑ روپیہ تو بنتا ہو گا۔

"چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر"
کالم میٹھا سچ 770 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 20 فروری 2024ء

ایک دوست لکھتے ہیں کہ سوئٹزرلینڈ خوشحال ملک ہے کیونکہ وہاں فوج نہیں۔ اس پوسٹ کا جس جانب اشارہ ہے وہ درست نہیں۔ درحقیقت برطانیہ اور امریکہ کے سکاٹش حکمرانوں (جو آج تک قائم ہیں) نے پوری دنیا کو سرمایہ دارانہ یہودی نظام میں جکڑ لینے کے بعد کئی عالمی سطح کے فیصلے کئے مثلاً سلطنت عثمانیہ کے 64 ٹکڑے کرنا، اسرائیل کا قیام، ایٹم بم جیسے مہلک ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال، ورلڈ بنک کے ذریعے دنیا کو قرضوں میں جکڑنا، اقوام متحدہ کا قیام، روسی اشتراکی نظام کو روکنا، نوآبادیوں کی بظاہر آزادی، دولت مشترکہ کا قیام تاکہ نوآبادیات والی عالمی لوٹ مار جاری رہے، اور سائنس و ٹیکنالوجی میں سبقت وغیرہ وغیرہ۔

ان عالمی فیصلوں میں سے ایک یہ بھی کیا گیا کہ دو ممالک، جاپان اور سوئٹزرلینڈ، فوج نہیں رکھیں گے۔ جاپان سائنس و ٹیکنالوجی کا مرکز اور سوئٹزرلینڈ دنیا سے لوٹے گئے کالے دھن کا قانونی مرکز ہو گا۔ سوئٹزرلینڈ کو جان بوجھ کر اپنی بنائی گئی اقوام متحدہ سے باہر صرف اس لئے رکھا گیا کہ عالمی سطح پر کالے دھن پر دنیا کے قوانین کا اطلاق نہ ہو سکے اور زرداری نواز شریف طرز کے عالمی سیاستدانوں کو محفوظ ٹھکانہ دے کر دنیا بھر کی دولت سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔
یہ دونوں کام آج بھی اقوام متحدہ کی ناک تلے ہو رہے ہیں جہاں جاپان اور اب اسرائیل کی ایجادات کی ستائش کی جاتی ہے اور ناروے والے نوبل انعام بانٹ کر دنیا کو روشن چہرہ دکھایا جاتا

ہے لیکن دوسری جانب دنیا بھر کی کرپشن کے مراکز پر اقوام عالم کوئی بھی اجتماعی قدم نہیں اٹھا سکتیں۔

دوسری جنگ عظیم کے وقت عالمی بازی گروں سے چین کو نظر انداز کر دیئے جانے والی ایک ایسی غلطی سرزد ہو گئی ہوئی ہے جو اگلی ایک دو دہائیوں میں عالمی بساط پلٹنے والی ہے۔ چین ویسے یورپی اور امریکی سائنس و ٹیکنالوجی کے برابر پہنچ گیا ہوا ہے نیز سرمائے کے ارتکاز کو عالمی بنک سے برکس (برازیل، روس، بھارت، چین، سویڈن) بنک کی جانب منتقل کرنے جا رہا ہے۔

اسلحے کے چونکہ تمام گرو مغربی بلاک میں واقع ہیں اس لئے بھارت پاکستان طرز کے جغرافیائی جھگڑے بھی تبھی پلان کر لئے گئے تھے تاکہ جنگیں ہوتی رہیں اور غریب ترین ممالک بھی ان سے اسلحہ خریدنے پر مجبور رہیں۔ شاید اس دلچسپ بات پر آپ غور کر سکیں کہ بھارت کو جمہوریت دے کر سرمایہ دارانہ نظام ہی کے اندر ترقی کی جانب جانے دیا گیا ہے لیکن پاکستان کو فوجی گرفت میں رکھ کر سوویت یونین جیسے ممالک کو سبق سکھانے کے لئے مسلسل استعمال میں لایا جاتا ہے اور سرحدی صورتحال کو کشیدہ رکھ کر اسلحہ بھی بیچا جاتا ہے۔

"سوشل میڈیا"

کالم میٹھا سچ 771 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 23 فروری 2024ء

معلومات کے پھیلاؤ ور سل ور سائل کے ذرائع مثلاً اخبارات، جرائد، ٹی وی چینلز، ریڈیو، ڈاک و تار، خطوط، وغیرہ کے صدیوں پرانے نظام کو غیر روایتی سوشل میڈیا نے شکست وریخت سے دوچار کر دیا ہے۔ ذیل میں مختلف سوشل فورمز کے مقاصد پیش خدمت ہیں جس نے آج کی دنیا میں تبدیلی کے عمل کو نہایت تیز کر دیا ہے

1. فیس بک ایک فیملی فورم ہے۔ جہاں پہ ہر طرح کے موضوعات پہ بات ہوتی ہے جیسے ایک خاندان کے لوگ مل بیٹھ کے گپ شپ کرتے ہیں۔ اس میں ذاتیات، معاشرت، سیاست سب گفتگو میں آتا ہے۔
2. انسٹاگرام: اس کا مزاج اور طرح کا ہے۔ آپ یہاں تصویریں ویڈیوز لگاتے ہیں۔
3. ٹک ٹاک: یہ تفنن کا فورم ہے آپ وہاں صرف انجوائے کرتے ہیں۔ اپنی پسند کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ یہاں خوبصورت خواتین کی بھرمار ہے۔
4. لنکڈ ان ایک پیشہ ورانہ فورم ہے جہاں لوگ ملازمت اور کاروبار کو آگے بڑھانے کے لئے اپنے پروفائل کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔
5. pinterest: اور نت نئے آئیڈیاز حاصل کرنے کا فورم ہے۔
6. گوگل معلومات کا خزانہ ہے۔
7. ایسے ہی یوٹیوب زیادہ تر وڈیوز کا خزانہ ہے اور اس کا اپنا ہی مزاج ہے۔

8. ٹوئٹر: تمام دنیا میں خبروں، تجزیوں حالاتِ حاضرہ پہ مباحثے کا موثر پلیٹ فارم ہے۔ یہ اشرافیہ، بذات خود وزیر اعظم، صدر، وزرا، سفرا، صحافی، طلبہ, اور دیگر پڑھی لکھی ایلیٹ کلاس استعمال کرتی ہے۔

یہ سبھی پلیٹ فارم اس شعور کو عام کرنے کا ذریعہ ہیں جو پڑھے لکھے طبقے سے عام لوگوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی فورم پر پابندی لگائی جائے خصوصاً ٹوئٹر پر تو دراصل یہ اس ملک کی اسٹیبلشمنٹ کا اعلانِ شکست ہو گا۔

"کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں"

کالم 772 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 23 فروری 2024ء

اس اختتام ہفتہ تب بہت دلچسپ صورتحال پیدا ہو گئی جب ایک "سترے بہترے" آدمی سے لمبی بیٹھک ہوئی۔ ہوا یوں کہ دوست کی کال آئی کہ دبئی سے انکل آئے ہوئے ہیں جنہیں گجرات کا چکر لگوانا ہے۔ خیر ہم انہیں لے کر گجرات روانہ ہوئے تو ہم نے اخلاقاً اپنا مختصر تعارف کرایا اور پھر رستے میں مسلسل گپ شپ چلتی رہی۔

سفر تو کوئی تین گھنٹے میں طے ہوا جس میں وہ ستر منٹ بہت دلچسپ ثابت ہوئے جس میں ان ستر کلو کے ستر انچ کے انکل نے اپنے ستر سالوں کی ستر ہزار میل (ایک لاکھ کلومیٹر سے زائد) کے بین الاقوامی اہمیت کے ستر شہروں کی یاترا پر مشتمل داستان کچھ ایسے انداز میں سنائی کہ ہم نے تخمینہ لگایا کہ اگر ان کے ملکی و عالمی سطح کے تجربات اور تحریری اور زبانی کاوشوں کو ہم ستر کتب میں بھی سمونا چاہیں تو شاید تب بھی ان بارعب اور خوش شکل انکل کی زندگی کا احاطہ ممکن نہ ہو سکے۔

جاتے ہوئے تو ہم نے نہ چاہتے ہوئے انکل کی باتوں میں دلچسپی لی تھی کیونکہ سفر میں کوئی بات تو کرنی ہی ہوتی ہے لیکن جونہی ان کی گفتگو سے ہمارے ذہن میں دھماکے ہونے شروع ہوئے تو پھر ہماری توجہ تبھی ہٹی جب ڈرائیور نے چائے کے لئے گاڑی روکی۔ لیکن لاہور واپس آتے وقت ہم یوں مؤدب ہو کر بیٹھے رہے کہ جیسے ایک پوری یونیورسٹی ہمارے ساتھ ہمسفر ہو۔ اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی سڑک یا ڈرائیور پر دھیان دینا گناہ سمجھنے لگ گئے کہ کہیں اس گوہر نایاب کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔ انہیں دیکھ دیکھ اور سن سن کر ہمیں جون ایلیاء کا یہ شعر بہت غمزدہ کرنے لگ گیا کہ:

کتنی دلکش ہو تم کتنا دلجو ہوں میں۔۔۔

!!کیا ستم ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے۔۔۔

دنیا میں پرورش پاتی لاکھوں مخلوقات میں سے واحد اشرف انسان ہی ہے جس نے دیکھ، پڑھ اور لکھ کر ہم جنسوں کو ناقابل اندازہ ترقی بخشی اور جس کی آٹھ ارب کی آبادی کا ایک ایک دماغ کسی سپر کمپیوٹر سے شاید کمتر نہ ہو لیکن یہ دماغ ایک روز تمام تر تجربے، عقل و خرد اور علم و دانش کے ساتھ مٹی میں دفن کر دیا جائے گا اور اس میں موجود تمام معلومات خاکستر ہو جائیں گی۔ کیسا ہے یہ زندگی کا سفر کہ جسے کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں؟

"نالائق نسلیں"

کالم میٹھا سچ 773 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 فروری 2024ء

ایک لطیفہ ہے کہ جہاز میں اساتذہ اور شاگرد بھرے ہوئے تھے۔ چلنے سے پہلے اعلان ہوا کہ اساتذہ حضرات یہ جہاز آپ کے شاگردوں نے بنایا ہے لہٰذا انکی کامیابی کو سراہیں۔ یہ سنتے ہی سبھی نیچے اتر گئے مگر پرنسپل صاحب بیٹھے رہے۔ پائلٹ نے پوچھا آپ کیوں ڈر کر نہیں اترے۔ انہوں نے سکون سے جواب دیا کہ مجھے یقین ہے یہ جہاز سٹارٹ ہی نہیں ہو گا۔

غالباً اس لطیفے میں طالب علموں کی اس پود کا تذکرہ ہو رہا ہے جنہوں نے بدقسمتی سے بھٹو کے نظام تعلیم کو 1974ء میں قومیانے کے بعد میٹرک کی ہے۔ پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقے قابلیت کے لحاظ سے دو ادوار میں منقسم ہیں۔ یعنی تعلیم قومیانے سے پہلے والا دور اور بعد والا۔ اگر دس دس سال کی ایک جنریشن تصور کر لی جائے تو اس وقت پاکستان میں آٹھویں پود چل رہی ہے۔ یقیناً اس لطیفے میں مثال آج کی پود کی دی گئی ہے۔ آپ جوں جوں پیچھے چلتے جائیں گے تعلیم کا معیار بہتر سے بہتر نظر آتا جائے گا۔

پاکستان میں پچھلے نظام تعلیم نے نوبل پرائز والے ڈاکٹر عبدالسلام دیئے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان دیئے یا پھر بعد والی پود میں سے صرف وہی بہترین نکلے جو میٹرک کے بعد مغرب کے تعلیمی اداروں میں جا نکلے۔

اس کالم کو پڑھنے والے تمام دوست جنہوں نے میٹرک 1974ء کے بعد کیا ہے دل کھٹا نہ کریں کیونکہ یہ ان کا قصور نہیں ہے ریاست نے خود تعلیم ناقص کر کے اپنا مستقبل برباد کیا ہے اور کبھی

بھی کسی حکومت نے ریورس گیئر لگانے کا سوچا بھی نہیں ورنہ موجودہ ناقص تعلیمی دور میں یقیناً بہتری آجاتی۔

میں نے تینوں بچوں کو پاکستانی میٹرک کرنے ہی نہیں دی اور ملک میں رہنے کے باوجود جان پر کھیل کر مغربی نظام تعلیم سے آراستہ کیا اور الحمدللہ یہ تینوں آج سارے معاشرے سے بہتر پرفارم کر رہے ہیں بلکہ چشم بد دور بیٹا تو میرے نقش قدم پر چل کر انٹرنیشنل کنسلٹنٹ بن چکا ہے۔ اور اپنے ہم عمر میٹرک کرنے والوں سے کئی قدم آگے ہے۔ اس بچے کے مغربی تعلیم حاصل کرنے کا مجھے اس قدر جنون تھا کہ میرے امریکہ چلے جانے کے بعد اس کا اولیول کا جب نتیجہ آیا تو آٹھ میں سے چار اے گریڈ لینے کے باوجود اسے گورنمنٹ کالج لاہور داخلہ لینا پڑا۔ میں نے خاصی تگ و دو کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے اس کا گورنمنٹ کالج چھڑا کر کریسنٹ سکول میں دوبارہ امتحان میں اسے بٹھایا اور اے لیول میں داخلہ کرایا میں آج بھی کریسنٹ کے پرنسپل جناب طارق سلطان صاحب کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چونکہ چار سالہ پروفیشنل گریجویشن کے میرٹ میں اے لیول والوں کے نمبر کم کر دئے جاتے تھے اس لئے میں بچوں کو چارٹرڈ اکاؤنٹنسی کی جانب لے گیا اور پاکستانی تعلیم کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی۔

اب آج کے بچے کا کلاس تھری میں بھی سٹی سکول جیسے ادارے والا سکول بیگ کم سے کم میں نہیں اٹھا سکتا بچہ بیچارہ تو گدھا بن جاتا ہے جبکہ یورپ میں میرے دونوں بڑے بچوں کے ہاتھ میں دوسری کلاس تک ایک ننھی سی ڈائری بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہم کتابوں کے بوجھ کو علم کا بوجھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے

تبصرے

ڈاکٹر سلطان

چونکہ اردو کے ساتھ ہم نے کچھ اچھا نہیں کیا اور ہم اب چونکہ ترقی کی دوڑ میں دنیا سے کافی پیچھے بھی رہ گئے ہیں اس لئے مجبوراً ہی سہی ہمیں انگریزی ہی میں مہارت حاصل کرنی چاہیئے۔

روحیل خان نے مجھے ایک تراشہ بھیجا ہے جو اپنی زبان کی اہمیت بتا رہا تھا۔

یہی حماقت عظیم ہے جو سازشی عناصر پاکستان اور اردو بارے کرتے ہیں کہ منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ اردو پڑھو لیکن عملاً اردو کے جو چند الفاظ تھے انہیں بھی انگریزی میں بیان کرنے لگ گئے ہیں۔ جیسے بھیجنے جیسا لفظ موجود ہے لیکن کہتے ہیں سینڈ کر دو، اراکین کو ممبران کہہ دیتے ہیں۔ ظ اور ض نیز ذ اور ز کے فرق کا پتا نہیں اور سکول ہیں کہ بھٹو مار کہ قومیائے گئے اساتذہ کے ہاتھوں ڈوبتے چلے جا رہے ہیں۔ سپریم کورٹ تک کو توفیق نہیں کہ اردو نافذ کرنے والے حکم نامے ہی کو اردو میں جاری کر سکیں۔ ایسے ملک میں کیا توقع کریں کہ وہ سائنس کی زبان انگریزی کو اردو میں ڈھال دیں۔ ایران ترکی ملائیشیا اسرائیل جاپان وغیرہ کی مثالیں دینا بہت آسان ہے لیکن بدھوؤں کو یہ تک معلوم نہیں کہ تمام غیر انگریز ترقی یافتہ ممالک اپنے نصاب کو نیز آنے والے تمام علوم کو اپنی زبان میں ڈھال لینے کا پورا بندوبست کر چکے ہیں۔

تو کیا میں یہ سب جانتے ہوئے بھی یہ حماقت کر دوں کہ ایک ڈوبتی زبان کی کشتی میں اپنی نسلوں کو سوار کرا دوں اور پھر جب میں اور میری نسلیں مکمل ڈوب جائیں تو اپنی زبان کی اہمیت پر مضامین لکھنے اور شیئر کرنے لگ جاؤں؟

اپنی مادری زبان پنجابی اور قومی ذبان اردو سے محبت بس میری نسل تک ہی محدود رہ گئی ہے اس کی ترویج نہ حکومت نے کبھی کی اور نہ عوام میں محبت جاگی۔ اخبارات کے ایسے بے عمل تراشے میرے پاس بھی بہت ہیں لیکن میں ان خالی کہانیوں سے اپنا وقت برباد نہیں کرتا کیونکہ میں عملی

بندہ ہوں۔ مجھے نہ ملک سے نفرت ہے اور نہ اردو سے لیکن اتنا بھی احمق نہیں کہ ایکسپریس گاڑی چھوڑ کر مال بردار گاڑی میں اپنی نسلوں کو سوار کرادوں۔

ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر ہم اردو کو ترقی نہیں دے سکتے تو انگریزی سے نفرت کر کے برصغیر کی ان نسلوں جیسی آج پھر حماقت نہ کریں جنہیں سرسید سمجھاتے رہے کہ انگریزی سیکھ لو لیکن ملائیت مسلمانوں کو ہمیشہ زوال کی طرف ہی گھسیٹتی رہی۔

۔غلام محی الدین3

سربرائے مہربانی تفصیلاً بتائیں، کہ آپ نے اپنے بچوں کو اولیول اے لیولز کروایا کیونکہ اج کل میں بھی یہی ڈیسائیڈ کر رہا ہوں میرا بیٹا ابھی سیون گریڈ میں ہے اور کیمبرج سسٹم میں پڑھ رہا ہے لیکن میرے کچھ کولیگز کہتے ہیں کہ نہیں بچوں کو میٹرک کرانا چاہیے۔

ڈاکٹر

برادر پہلے تو اپنے ان کولیگز کی قابلیت جانچ لیں جو میٹرک کا مشورہ دے رہے ہیں کہ خود کتنے پانی میں ہیں اور ان کے خاندان کتنی کامیابی حاصل کر چکے ہیں؟ پھر آپ خود ہی اپنے سوال کا جواب پا جائیں گے۔

محدث

مغربی نظام تعلیم "کس ادارے سے"؟

ڈاکٹر

جی گڑیا بچوں نے براہ راست کیمبرج سے امتحانات پاس کئے لیکن تیاری میں نے لاہور کے بہترین اساتذہ سے کروائی۔

محدث

ماشاءاللہ۔ پھر تو آپ مبارکباد کے مستحق ہیں

ڈاکٹر

شکریہ۔ ذرا سوچ لینا گڑیا میں آپ کے انکل اپل کا پاٹا پرانا دوست ہوں جس نے کبھی نواز شریف اور زرداری کو پسند نہیں کیا اور زندگی میں اپنی پسند ناپسند میں دنیا کے سامنے کبھی رسوا بھی نہیں ہوا ، جیتی رہو اور خوش رہو۔

۔انعام ملک

آپ نے توپوں کا رخ اپنی طرف کر دیا اس ملک میں مغربی تعلیم والے ادارے بھی دینی تعلیم کا چورن بیچتے ہیں۔

ڈاکٹر سلطان

ملک صاحب مجھے سچ بولنے میں کوئی عار نہیں۔ بھلا جعلی تعلیم والے مجھ سے کیسے سینگ اڑا سکتے ہیں؟

ثمینہ رشید

بالکل درست فیصلہ تھا۔ چائنا والوں کو دیکھ لیں انگریزی سکھانے کے لئے ٹیچرز جو جاب کرنے جاتے ہیں چائنا ان کو اچھی تنخواہ کے ساتھ بہت سی رعایتیں آفر کی جاتی ہیں۔ بل فری، ٹیکس فری سیلری وغیرہ۔ مادری زبان کے ساتھ اب انگریزی انٹرنیشنل زبان ہے اس کی بہت اہمیت ہے چائنا بھی اسکو سمجھ گیا ہے۔

ڈاکٹر سلطان

مادام ہمیں تو بھٹو کی یہودی ایجنٹی کے وقت سے معلوم ہے کہ عالمی اسٹیبلشمنٹ ہماری ترقی روکنا چاہتی تھی اور ابھی بھی روکنا چاہتی ہے۔ اب عمران کیسے اکیلا پوری دنیا کا مقابلہ کرے گا بس یہی سوال جواب طلب ہے ابھی۔

ظہیر

سر جی، میرے بچے نے پاکستانی میٹرک کیا ہے۔ اور اس کے جن دوستوں نے کیمبرج سے پڑھا ہے وہ ان سے بہتر پرفارم کر رہا ہے۔

ڈاکٹر

دو باتوں کا خیال رکھیں۔ اول میں نے دوران تعلیم پرفارمنس کی بات نہیں کی بلکہ میدان عمل میں آنے کے بعد معاشرے سے مقابلے کی بات کی ہے۔ اور دوم پچیس کروڑ کے ملک کی اوسط کی بات ہو رہی ہے کسی کی انفرادی نہیں۔ آپ تو ویسے بھی میرے بچوں سے واقف ہیں۔

ظہیر

سر آپ سے ہی تو سیکھا ہے تعلیم کا مقصد پیسے کمانا نہیں شعور حاصل کرنا ہے اور نہ کسی سے مقابلہ کرنا۔

محمد حسین

اگر مناسب سمجھیں تو ان باکس میں بتائیے گا سر یہ کیسے ممکن ہوا اور کیا درس نظامی کروایا؟

ڈاکٹر

آنے والے وقت میں درس نظامی، حفظ اور تجوید کی کوئی جگہ نہیں۔ ہمیں عقل، شعور اور منطق سے سوچنا ہو گا۔

برائے فاخرہ سلطانہ سوئٹزرلینڈ

ہم اچھے انسان تو شاید معاشرے کو دے سکیں لیکن اچھے مسلمان کیسے دینگے؟ اس پر روشنی ڈال دیں لیکن ذرا بڑے بلب سے روشنی ڈالیں جو "عملاً" درست ہوں ورنہ بے عمل تقریریں اور جذباتی

تحریریں تو بہت دیکھ چکے۔ اور ہاں "عبادات" کے حوالے نہ دیجئے گا کیونکہ یہ انسان انسان کے درمیان تعلقات کی کسوٹی نہیں بلکہ ملائیت و مذہبیت ہے۔ آپس کے تعلقات کی واحد کسوٹی "معاملات" ہیں اور وہی جو قرآن نے بیان کر چھوڑے ہیں اور وہی جو دین سکھاتا ہے۔ یا وہی جو نبی کے سنت میں رہے۔ مذہب اور دین کے فرق کو سمجھ کر اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں جواب دیجئے وگرنہ آپ کا بہت سا وقت اثر چھوڑے بغیر ضائع چلا جائے گا۔

میاں مبشر حیات

خود ٹاٹ پر بیٹھ کر تختی کیوں لکھی؟

ڈاکٹر

وہ میرے والدین کی کاوش اور علم تھا جس میں ہمارا دخل بالکل بھی نہیں ہوتا مگر میرے بچوں میں لازماً میرا تجربہ اور تربیت جھلکنی چاہیئے۔

ہما فہد

سر کیا او اور اے لیول کی تیاری پرائیویٹ کروائی ہے؟ اسکا کوئی نقصان؟ سر بھاری اخراجات پرائیویٹ کی صورت میں ہیں یا کسی پرائیویٹ سکول سے کروانے میں؟ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ او اور اے لیول اُس صورت میں کرنا چاہئیں اگر اعلیٰ تعلیم کیلئے بیرونِ مُلک بھیجنا ہو بچوں کو۔ اور یہ بھی رہنمائی کیجیئے گا کہ سکول کے ذریعے کروانا بہتر ہے یا تیاری کروا کر پرائیویٹ امتحان دلوانا؟

ڈاکٹر

جی سو فیصد پرائیویٹ۔ واحد نقصان بھاری اخراجات تھے۔

یہ ہے ہی مکمل پرائیویٹ سسٹم اور کہیں بھی سرکار کا دخل نہیں۔ ویسے تو بیشمار پرائیویٹ ادارے کیمبرج ایجوکیشن سسٹم کی تیاری کراتے ہیں لیکن اگر آپ نے ادارے کا انتخاب بھی کرنا ہو تو چنے

گئے سبھی مضامین کے لئے اسی سسٹم کے تجربہ کار اساتذہ کا پہلے جائزہ لے لیں۔ ویسے اس کی تیاری کرانے والے سبھی اساتذہ کی اپنی تعلیم آپ کو میٹرک ہی ملے گی کیونکہ جن کی اپنی تعلیم کیمبرج سسٹم کی ہو گی وہ کہیں بہت بہتر پوزیشن میں ہوں گے اور استاد بن کر اکیڈمیوں میں نظر نہیں آئیں گے لیکن ایسا بھی نہیں کی ہر میٹرک والا نالائق ہو گا۔ کہنے کا مقصد ہے کہ تیاری کرانے والے اساتذہ وہ چنیں جنہوں نے کم و بیش دس بارہ سیشنز بھگتائے ہوں اور ان کے اکثر شاگرد چار سے زائد مضامین میں اے گریڈ رہوں۔

اور سب سے بہتر یہی ہے کہ اے لیول کے بعد پروفیشنل گریجویشن کے لئے بچے کو یورپ بھجوا سکیں تو ضرور بھجوائیں کیونکہ ہمارے ہاں گریجویشن کا معیار انتہائی ناقص ہے۔

سوات ویلی

کس لحاظ سے یہ سسٹم بہتر ہے؟

ڈاکٹر

سارے فائدے شاید نہ گنوا سکوں مگر چیدہ چیدہ یہ ہیں:

1. ۔نصاب لامحدود ہونے کے باعث بچہ رٹہ نہیں لگا سکتا لہٰذا ذہن کھل جاتا ہے۔
2. ۔ایسے بچے ایجادات اور دریافتوں میں آگے آگے رہتے ہیں۔
3. ۔یہ مغرب کے معیار کے مطابق سپر فٹ ہوتے ہیں۔
4. ۔مذاہب اور سیاسیات کو روایتی کی بجائے ترقی پسندانہ نظر سے دیکھتے ہیں۔
5. ۔فالتو باتوں میں الجھ کر وقت ضائع نہیں کرتے اور نہایت تیزی سے گہرائی میں اتر سکتے ہیں۔
6. ۔ہمیشہ مستقبل پر نظر رکھتے ہیں اور زیادہ تر ماضی فراموش ہی رکھتے ہیں۔

7. ۔تمام اعلیٰ امتحانات اور مقابلے با آسانی پاس کر جاتے ہیں۔
8. بچے کو مطالعے کی عادت پڑ جاتی ہے اور ذہن میں اتنی وسعت ضرور آجاتی ہے کہ وہ آئندہ زندگی بہت پر اعتماد رہتا ہے۔
9. ۔ہمیشہ آنے والی افتاد، الجھن اور ان دیکھے مسائل سے اکیلا نبٹ سکتا ہے۔
10 ۔وسیع مطالعے کے باعث بچے کی سوچ میں کچھ ایسی بنیادی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کہ وہ مستقبل میں مسائل کے روایتی حل کی بجائے آوٹ آف باکس حل کی جانب جا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ کچھ منفیت کا بھی شکار ہو سکتے ہیں جس پر والدین ضرور نظر رکھیں اور بروقت تربیت کرتے رہیں، مثلاً

1. ۔قدامت پسندی سے گریز کے باعث پاکستان میں جاری رجعت پسندی کے خلاف رہتے ہیں۔
2. ۔پرکھے بغیر کسی کی باتوں یا بے جا نصیحتوں کو نہیں مانتے۔
3. ۔مسلسل کامیابیاں ملنے کے باعث جلد فخر اور غرور کا شکار ہو جاتے ہیں۔
4. ۔اپنے آپ کو اک بہتر کلاس کا بندہ سمجھتے ہیں۔
5. ۔رجعت پسند شریک حیات کو پسند نہیں کرتے۔
6. ۔منافقت کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ان کی سب سے نہیں بنتی اس لئے ان کا سر کل جدا رہتا ہے۔
7. ۔زر پرست یا مادہ پرست بن جاتے ہیں۔
8. ۔گھٹیا معیار کی چیزیں پسند نہیں کرتے اور برانڈ لوور بن جاتے ہیں۔

9. ۔فضول خرچی یا کنجوسی کو جلد اختیار کر لیتے ہیں۔
10. ۔مقدار کی بجائے معیار کی جانب بھاگنے کے باعث معاشرے میں اکیلے اکیلے پھرتے ہیں۔

خیال رہے کہ یہ مجموعی تصویر ہے چند بچوں کی نہیں۔

ثاقب

میرا نکتہ نظر یہ ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹی کی تعلیم آج کل برطانیہ سے بہتر ہے۔ نیز سر آپ یو کے کی یونیورسٹیوں کو کیسے دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ یورپ کی یونیورسٹیاں بھی اسی صف میں ہیں جن میں امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جاپان، اسرائیل اور چین کی ہیں۔ دنیا کہ پہلی ہزار یونیورسٹیوں میں پاکستان کہیں بھی نہیں۔

برائے عبد لغنی

ہمارے ہاں بھی مقتدرہ اردو بورڈ بنا تھا جس کے چیئرمین ممتاز ماہر تعلیم اشفاق احمد بھی رہے لیکن یہ ادارہ انگریزی اصطلاحات کے تراجم کرتے وقت شدید مشکلات کا شکار ہو گیا۔ کیونکہ جہاں جہاں اردو متبادلات میسر نہ آئے وہاں فارسی ٹھونستا چلا گیا اس طرح اس قدر مشکل تراجم کئے گئے کہ انگریزی آسان لگنے لگ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ اکنامکس کی ایک اصطلاح

کو اردو میں یوں ڈھالا گیا" قانون برائے مختتم استعالیت"۔ Law of diminishing utility جو پہلے سے مشکل لگنے کے باعث ترک کر دیا گیا اور نصاب میں جگہ نہ پا سکا۔ مطلب کہنے کا یہ ہے

کہ جب تک ابتدائی تعلیم سے ہی اپنی زبان نہ سکھائی جائے تب تک اپنی زبان میں اعلیٰ تعلیم نہیں دی جاسکتی۔

مجھے ہالینڈ میں دوران تربیت یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پرائمری گریڈ سے ہی ہر بچہ ڈچ کے علاوہ فرانسیسی اور جرمن زبان بھی سیکھتا تھا لیکن ان کا اعلیٰ تعلیم تک سارا نصاب ڈچ زبان میں ہی تھا۔ یہی میں نے پولینڈ، جرمنی اور ڈنمارک میں بھی دیکھا۔ پاک وہند میں سرکاری طور پر انگریزی ہی کو فوقیت حاصل رہی مگر ہمارے ہاں مذہبی عناصر ساتھ ہی ساتھ انگریزی سے نفرت بھی سکھاتے رہے اور متبادل مدرسے کا نظام لے آئے اور مزید ستم مشرف نے یہ کیا کہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مدرسے کی سند کو گریجویٹ ڈگری کے برابر قرار دے کر ملائیت اسمبلی میں لے گیا۔ لیکن ہم چونکہ کبھی بھی پائیدار نظام نہ بنا سکے اسی لئے آج چوں چوں کا مربہ بنے کھڑے ہیں اور اپنے تمام عام سے ہمسایوں سے بھی نیچے گر چکے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔

۔برائے نوید

محترم آپ کی بات بھی درست ہے لیکن ہم نظام تعلیم جیسے اہم موضوع پر بات کر رہے ہیں۔ اخلاقیات اور خدمات تو ایک الگ سے بحث ہے۔

۔فرحت منظور

اے لیول اور او لیول کے لیے پیسے بھی تو چاہیئے اک گورنمنٹ جاب کرنے والا کلرک کا بچہ کہاں پڑھا سکتا ہے اپنے بچوں کو۔ عمران خان کی تعلیمی پالیسیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

ڈاکٹر

جی درست یکساں نصاب ہمیں ایک قوم بنانے کی جانب بہت اہم قدم تھا لیکن اسٹیبلشمنٹ کے لئے خطرہ تھا۔ سو اسے بند کرا دیا گیا۔

۔شمائلہ

سلطان محمود سرگجرات میں کس سسٹم کا انتخاب کرنا اچھا رہے گا، ایف اے یا کیمبرج سسٹم کے او یا اے لیول؟

ڈاکٹر

بہن اگر خرچے اٹھا سکیں تو کیمبرج سسٹم کے او اور اے لیول ہی میں بچوں کو لے جائیں لیکن ایک دھیان رکھیں آپ کے شہر میں کیمبرج کے اصل ماہر استاد موجود نہیں ہیں۔

"سند، علم اور شعور"
کالم میٹھا سچ 774 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 25 فروری 2024ء

اچھرہ لاہور میں عربی حروف والے سوٹ میں ملبوس ایک خاتون کی وڈیو دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ بیچاری بپھرے ہوئے ہجوم کے بیچ کس قدر ڈری ہوئی تھی۔ لیکن میرے خیال سے حماقت اسی خاتون کی ہے کہ اسے نہیں معلوم تھا کیا کہ ہماری عوام کس قدر گنوار ہے۔
میرے اس نکتہ پر کہ میں نے اسی خاتون کو کیوں قصوروار ٹھہرایا میری ایک محترمہ دوست نے جذباتی ہو کر ہماری ڈگریوں پر اپنی بھڑاس نکال ماری اور مجھے بے بصیرت کہہ کر وکٹم بلیمنگ کا الزام دھر دیا۔ خیر مجھے پاکستان میں اب ایسی الزام تراشی پر حیرت نہیں ہوتی اور ویسی تنقید کی اب عادت سی ہو گئی ہے جس کا مجھے کبھی ترقی یافتہ دنیا میں سامنا نہیں کرنا پڑا۔
میرا نکتہ نظر یہ تھا کہ غلطی اسی خاتون کی ہے جس نے عربی حروف والا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ نیز اگر کوئی لاعلمی میں ہی سہی خود کو جنگلی جانوروں کے جھنڈ میں لے جائے تو اس کی چیر پھاڑ پر درندوں کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دیگر ے شاید ہی کوئی اتنا لاعلم اور جاہل ہو جو عربی حروف والا لباس زیب تن کر کے باہر نکلے بھلے سے وہ عربی میں گالیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ میں نے پاکستان کے انتہائی پس ماندہ علاقوں سے لے کر جدید ترین کلب تک دیکھے ہیں اور کئی لوگوں کی شرٹس پر اردو انگریزی حروف بھی دیکھے ہیں لیکن سبھی کا کوئی معنی نکلتا ہے۔ مگر خالی حروف اور وہ بھی عربی کے اگر پہن کر جدید ترین کلب میں بھی یہ خاتون داخل ہو جاتی تو یقیناً زیر بحث آتی بھلے سے بھنبھناہٹ ہی کی طرح کی سرگوشیاں ہوں۔ اور ایک آخری بات۔ میں نے تو زندگی بھر جلی

حروف والا لباس نہیں پہنا اور نہ کسی بھی جاہل یا روشن خیال بندے کو پہنے دیکھا۔ آزادی اظہار اچھی بات ہے لیکن معاشرتی حدود کے اندر رہیں گے تو تحفظ ملے گا۔

کسی حادثے کی صورت میں اگر ہمارے اندر درست تجزیے کی بصیرت نہ ہو اور ہم وجوہات پہ بات بھی نہ کریں تو پھر بھی اپنی سوچ کو بڑا رکھنے کی کوشش کرنے کے لئے ہمیں وہ نکتہ ضرور تلاش کرنا پڑے گا جس سے سوچ بڑی نظر آنے لگ جائے۔ محض عورت پر آوازے کسنے والے واقعے پر ہم نہ جانے کیوں عورت کارڈ استعمال کرنے لگ جاتے ہیں اور غیر جانبداری اور ایمانداری کا دامن چشم زدن میں اٹھا پھینکتے ہیں۔ ہاں ایسے واقعات کو روکنے کے لئے اگر ہم نے معاشرے کی سوچ کو نہ بدلا تو ایسے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔ ایسی سوچ کو معاشرے میں بڑھانے کے لئے ہمیں ابھی کتنی محنت درکار ہے اس کا بھی ذرا عملی جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اس انقلاب کو لانے کے لئے ہمیں شعور کے ساتھ ساتھ علم اور سند کی بھی ضرورت ہے۔

"دبستان اقبال"

کالم میٹھا سچ 775 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 مارچ 2024ء

علامہ اقبال کی بیٹی محترمہ منیرہ صلاح الدین سے دوبار "دبستان اقبال" لاہور میں ملاقات ہو چکی ہے۔ ان کے بیٹے میاں اقبال اس ادارے کے کرتا دھرتا ہیں اور باقاعدہ متعدد موضوعات پر نشستیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔ میں چونکہ اس ادارے میں آتا جاتا رہتا ہوں اور دو لیکچر بھی دے چکا ہوں اس لئے وقتاً فوقتاً علامہ صاحب کی ساری فیملی وہاں ملتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال مرحوم، جسٹس ریٹائرڈ ناصرہ جاوید اقبال، منیب اقبال اور ولید اقبال سے بھی متعدد ملاقاتیں رہی ہیں۔

اگر کسی کے دل میں علامہ صاحب سے محبت ہو تو گلبرگ ٹو مین بلیوارڈ میں واقع اس یادگار عمارت کا شام پانچ سے پہلے دورہ کر سکتا ہے جو علامہ صاحب کی یادگار تصاویر سے مزین ہے۔

سیالکوٹ کی "اقبال منزل" کو بھی دوبار تفصیلاً دیکھنے اور تصاویر لینے کا مجھے شرف حاصل ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ ایوان اقبال لاہور اور اکثر لائبریریز میں بھی اقبال کارنر موجود ہیں۔

حکومتی اداروں میں ایک طبقہ علامہ صاحب کا مخالف بھی ہے جس کی کارستانیوں سے اقبال ڈے ختم کر دیا گیا ہے اور نصاب تعلیم سے بھی آہستہ آہستہ کلام اقبال حذف کیا جا رہا ہے۔ اس طبقے کا کہنا ہے کہ قائداعظم اور اقبال کی جگہ دور جدید میں نہیں بنتی۔

"ضرور کرنل"

کالم میٹھا سچ 776 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 6 مارچ 2024ء

مجھے بھی ایک ایسے تگڑے سے کرنل کی تلاش ہے جو مجھے شکست دینے والے ان تمام کرنیلوں کا حساب چکا سکے جنہوں نے مجھے زندگی کی دوڑ سے باہر رکھنے میں میرے ان مقابل لوگوں کی غیر اخلاقی اور غیر قانونی مدد کر کے مجھے پچھاڑا جو اگر اکیلے میرے مقابل اترتے تو شاید آج ان کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔

پہلی شکست زرعی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی تعیناتی میں ناکامی

دوسری شکست پبلک سروس کمیشن میں تین بار رکاوٹیں ڈالنے والے پینڈو پروڈکشن کلاس فیلو کی چالیں اور محکمانہ ترقی میں بندش

تیسری شکست ایف اے او میں چار ماہ کی قومی کنسلٹنسی میں اگلے چار سال جاری رکھنے کی ناکامی

چوتھی شکست نیسپاک میں گریڈ بارہ میں تعیناتی میں مافیا کا کردار

پانچویں شکست۔۔۔۔۔۔

شاید اسی کو زندگی کی دوڑ کہتے ہیں۔

"جان لیوا ڈاکٹرز"

کالم میٹھا سچ 777 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 9 مارچ 2024ء

بقول امریکن ڈاکٹر پیٹر گلڈن امریکہ میں موت کی تیسری بڑی وجہ خود ڈاکٹر ہیں۔ ان کے ہاتھ سے ایک مہینے میں پندرہ ہزار مریض مرتے ہیں جبکہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی ایک ہی دفعہ ہوئی اور ساڑھے تین ہزار بندے مرے۔

ای ESG کیا ہے

ایس جی

کالم میٹھا سچ 778 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 9 مارچ 2024ء

میں نے ماحولیات کی نئی جہت ای سی جی (انوائرمنٹ، سوشل، گورننس) بارے بیداری اور شعور پیدا کرنے کی خاطر پچھلے برس سے "ای کیپ ہر وفیشنلز" کے نام سے ایک وٹس ایپ گروپ بنا رکھا ہے جس کا واحد مقصد جدید کارپوریٹ دنیا میں ماحولیات کا ذرا بہتر انداز میں شعور اجاگر کرنا ہے۔ لیکن ایک سو باسٹھ اراکین پر مشتمل ای سی جی کے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ ماہرین میں سے چند دوست لاعلمی مگر شوق اشتراک میں اسے بھی عام سا گروپ بنائے رکھتے ہیں۔ آج انہیں مندرجہ ذیل پیغام دیا گیا ہے تاکہ اراکین گروپ اپنے اس بامقصد تکنیکی فورم کو ضائع ہونے سے بچا سکیں۔ پیغام ملاحظہ کریں

محترم قائدین اور معزز اراکین گروپ السلام وعلیکم

مجھے اپنے مخلص ساتھیوں کی وہ نگارشات مسترد کرتے ہوئے بالکل خوشی نہیں ہوتی جنہیں وہ اپنی محبت اور محنت سے سماجی (سوشل) اور انتظامی (گورننس) سے متعلقہ تحریر سمجھ کر یہاں اشتراک تو کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس کو براہ راست ماحولیات (انوائرمنٹ) سے جوڑ نہیں پاتے۔
اس میں زیادہ قصور بھی شاید میرا ہی ہے کیونکہ عدم فعالیت کی وجہ سے ہم سبھی اراکین اس گروپ کے مقاصد کو ایک سال بعد بھی اپنے ذہنوں میں راسخ نہیں کر پائے۔ اور خصوصاً اس گروپ کے مقصد اعلیٰ یعنی ماحولیات سے سرکتے ہوئے دور ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔

اگر سرسری نظر سے دیکھیں تو ہم آپ (انسان) سمیت دنیا کا ہر معاملہ (بشمول جنسی ہیجان، فلم، شاعری، سیاست، مذہب، کاروبار، تعلیم، صحت وغیرہ) ماحولیات سے ہی جڑا نظر آئے گا اور کہیں ای سی جی سے جوڑ سکتے ہیں۔ لیکن بنظر غائر نہ کہیں سے ہم اس کہ طنابیں کھینچ کھانچ کر ای سی جی کی بھی حدود مقرر ہیں مثلاً صرف وہی سماجی اور انتظامی ای سی جی یعنی دیکھیں تو ہر مضمون کی طرح سے متصل سوشل اور گورننس کے امور جن کا براہ راست تعلق ماحولیات سے نکل سکتا ہو۔ کہلائیں گی۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں:

والدین سے محبت اٹل ہے لیکن کیا اس عمل سے گلوبل وارمنگ کم ہو سکتی ہے؟ استاد کا احترام فرض ہے لیکن کیا اس سے فضائی آلودگی کم کی جاسکتی ہے؟ صبح کا سلام کہنا بے حد ضروری ہے لیکن کیا اس سے گلیشیرز کو پگھلنے سے روکا جاسکتا ہے؟ قرآن کریم کی آیات ہمارے ایمان کا جزو لاینفک ہیں لیکن کیا ان سے ماحولیات کا اجازت نامہ یا این او سی حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا پھول شئیر کرنے سے بے ہنگم ٹریفک کے شور اور دھوئیں کو کم کیا جاسکتا ہے؟ کیا کتاب کی رونمائی اور غزل لکھ لینے سے گدلے پانی کو صاف کیا جاسکتا ہے؟ یقیناً نہیں کیوں کہ اگر ہم نے ماحول کو موضوع بنانا ہے تو ان سبھی امور سے ہٹ کر ان امور پر بحث کرنی پڑے گی جن سے براہ راست اس سیارہ زمین کی عمر اور صحت بڑھائی جاسکتی ہو جو کہ بے حد تیز رفتاری سے ہماری آئندہ نسلوں کو موت کے منہ میں لے جا رہے ہیں۔

یورپ میں دوران تعلیم ہمیں دو کریڈٹ آور کا ماحولیات کا ایک تعارفی مضمون پڑھاتے ہوئے ہماری جرمن استاد نے یہ لائبریری اسائنمنٹ دی تھی کہ دنیا کی ساری ترقی تو صرف حضرت انسان کے ہی ارد گرد گھومتی ہے لیکن آخر ہم نے تعلیمی و تربیتی دنیا کے ساڑھے چار سو دیگر مضامین کیوں

الگ الگ سے پڑھانے شروع کئے ہوئے ہیں؟یقین کریں کہ اس اسائنمنٹ کو تیار کرنے سے ہماری آنکھیں کھل گئیں اور سمجھ آگئی کہ ماحولیات کا مضمون بھی انسانی فلاح کا ایک پہلو ہے لہٰذا اس کی حدود بھی ویسے ہی مقرر کرنی پڑیں گی کہ جیسے ہم بیالوجی، فزکس، کیمسٹری، کمپیوٹر سائنسز اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی کرتے ہیں۔

مثلاً اگر ہم اساتذہ اور والدین کی تکریم جیسے سوشل امور کو عمومی انداز میں بیان کر دیں تو یہ محض معاشرتی علوم ہی کہلائیں گے لیکن اگر اس کا رخ بچوں کو درختوں کی اہمیت اور پانی کے بچاؤ کی جانب موڑ دیں تو یہ براہ راست ماحولیات سے جڑ جائے گا۔ اگر صبح اٹھ کر خالی پھول یا آیات قرآنی شئیر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو یہ کہہ کر ماحولیاتی زنجیر میں پرو دیں کہ فلاں پھول کی ادویاتی خصوصیات اور فلاں آیت کریمہ کے نفسیاتی فوائد کیا ہیں تو یہی کچھ ماحولیات میں شمار ہو جائے گا۔ یا کسی ماحولیاتی جزو کو کسی شعر میں ڈھال دیں تو شاعری بھی ای سی جی کا حصہ بن سکتی ہے۔

ایسے ہی کنسٹرکشن کے نتیجے میں اگر لوگ بے گھر ہو جائیں یا انہیں مناسب معاوضہ نہ ملے تو یہ سوشل معاملہ ہے جو کہ ای سی جی کا حصہ ہے لیکن بد معاش کسی کو بے گھر کر دیں تو یہ قانونی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ایسے ہی محکمہ ماحولیات مناسب تحقیق کے بعد کسی انڈسٹری کو ماحولیاتی اجازت نامہ جاری کر دے تو یہ گورننس کا معاملہ ہے لیکن رشوت لے کر بلا تحقیق اجازت نامے دے دے تو یہ کرپشن کہلائے گی۔

امید ہے کہ معزز اراکین گروپ میری گذارشات سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم نے کیسے اس گروپ کی انفرادیت کو قائم رکھنا ہے۔ اس گروپ کو مزید بہتر کرنے کے لئے آپ کی تجاویز کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر سلطان محمود

"سیاسی بصیرت"

کالم میٹھا سچ 779 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 10 مارچ 2024ء

پیپلز پارٹی کے سابق ایم پی اے قیوم نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ نوجوانوں نے ایسے ہیرو سے دل لگالیا ہے اور توقعات وابستہ کرلی ہیں جس میں سیاسی بصیرت نہیں ہے۔ ہم نے جان کی امان پاتے ہوئے سوال پوچھا ہے کہ سیاسی بصیرت یا کاروباری بصیرت؟ یا وہ والی بصیرت جو "ان" کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ کیونکہ سیاسی بصیرت والے ڈرائنگ رومز میں بیٹھے ہیں، گڈگی پر تماشہ دکھانے والے بندر تخت پر ہیں، ڈگڈی بجانے والے راولپنڈی میں بیٹھے ہیں، نوجوانوں کا ہیرو جیل میں بیٹھا ہے، عوام کی ننگی لاش پر رقص کرنے والے پارلیمان میں بیٹھے ہیں اور عوام جہنم میں کھڑے جلنے کے لئے اپنی باری کے منتظر ہیں۔

نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ بھٹو اور بینظیر سیاسی بصیرت کا پیمانہ ہیں۔ ہم بھی آج مچل سے گئے ہیں اور جواب داغا ہے کہ اگر یہی سیاسی بصیرت تھی کہ بھٹو اقتدار کی خاطر پاکستان توڑنے کی فوجی سازش کا جان بوجھ کر حصہ بن گئے یا بینظیر نے بطور وزیر اعظم جانتے بوجھتے زرداری کو لوٹ مار کا لائسنس دیا تو پھر معذرت سے ہمیں آپ کی سیاسی بصیرت پر بھی شک پڑ گیا ہے۔

ہمارے اس ٹارگیٹڈ میزائل کا ابھی جواب نہیں آیا جس میں ہم نے ادب سے دریافت کیا ہے کہ محترم آپ ہی بتادیں کہ آپ کی سیاسی بصیرت کے مطابق موجودہ قومی مسائل کا قابل عمل حل کیا ہے؟ اور ساتھ ہی نظامی صاحب کی فراست کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی طفلانہ خواہش کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ جناب ہم آپ کی سیاسی بصیرت میں بھٹو کو رول ماڈل بنائے جانے سے مایوس ہونے کے

باوجود امید رکھتے ہیں کہ آپ کمال شفقت سے کاغذی گھوڑے نہیں دوڑائیں گے جنہیں پڑھتے پڑھتے ہم جوان ہوئے تھے۔

"دکھاوا احساس کمتری ہے"

کالم میٹھا سچ 780 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 12 مارچ 2024ء

ماہرین نفسیات نے انسانی معراج کے پانچ درجوں کا ذکر کیا ہے جن میں سب سے اوپر یعنی پہلا درجہ سادگی کو دیا گیا ہے اور دنیا کے سادہ ترین انسانوں کی مثالیں دیکر واضح کیا گیا ہے کہ ان میں جن صاحبان بصیرت کا شمار ہوتا ہے وہ ہیں دنیا میں آئے سارے نبی، خلفائے راشدین جیسے جید صحابہ، بابا فرید جیسے اولیاء کرام، گلیلیو، نیوٹن، آئن سٹائن و سٹیفن ہاکنگ جیسے عظیم سائنس دان، نیز عالمی سیاسی رہنما جیسا کہ چین کے صدر ماؤ، پاکستان کے عبدالستار ایدھی، بھارتی رہنماء مہاتما گاندھی، مرار جی ڈیسائی اور ٹاٹا، گورنمنٹ کالج والے ڈاکٹر نذیر، سابق وزیر اعظم ملک معراج خالد اور سراج الحق وغیرہ اب تو سید بابر علی اور سیٹھ عابد وغیرہ کا شمار بھی اسی درجے کے لوگوں میں ہونے لگا ہے۔ بلکہ اس وقت دنیا کے امیر ترین لیکن سادہ ترین معاشروں کا ذکر کیا جائے تو سر فہرست جاپان اور پھر چین اور جرمنی کا نمبر آتا ہے جہاں سیکنڈ سٹریٹ اور تھرفٹی شاپس کے نام سے استعمال شدہ اشیاء کے سٹورز دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ اسی اعلیٰ ترین سادگی والے طبقے میں دنیا کے ان ارب پتیوں کا بھی ذکر شامل کیا جاسکتا ہے جو اپنی دولت اکثر معاشرے میں بانٹ دیا کرتے ہیں جیسے بل گیٹس، ایلون مسک، سٹیو جابز اور وارن بفٹس وغیرہ۔ ایسے لوگوں میں درگزر اور معاف کرنے کا جذبہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

اسی سادگی کا تعلق انسانی ذہانت سے بھی ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ جوں جوں ہماری ذہانت کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے ہمارے اندر اتنا ہی تصنع، بناوٹ اور دکھاوا زیادہ آتا جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ذہانت کا درجہ گرتے ہی ہم کس حد تک دکھاوے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

سب سے اوپری یعنی پہلے درجے کے لوگوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ جو نبیوں جیسے انتہائی سادہ لوگ تھے۔ ایک تخمینے کے مطابق ایسے لوگ اپنے دماغ کا استعمال گیارہ فیصد سے بھی شاید زیادہ کر لیتے ہوں گے۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت پچھلی دہائی میں ریلیز ہونے والی ایک فرانسیسی فلم لوسی نے کر دی ہے جس میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا تھا کہ اگر انسان سو فیصد دماغ استعمال کرنے کے قابل ہو جائے تو نعوذ باللہ خدا بن سکتا ہے۔

دوسرے درجے کی ذہانت والے لوگوں میں دکھاوا خال خال ہی ملتا ہے اور یہ وہ طبقہ ہے جو اپنا دماغ گیارہ فیصد تک استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ برین سٹڈی کے ماہرین نے ایسے لوگوں میں آئن سٹائن جیسے لوگوں کا شمار کیا ہے جن کے پاس دکھاوے کے لئے صرف اپنی ذہانت ہی تھی مگر پہناوے وغیرہ کی عادات میں بے حد سادگی تھی۔ ورلڈ بنک کے ایک سابق چیئرمین اور نوابزادہ لیاقت علی خان کا ذکر بھی ایسے درجے کے لوگوں میں کیا جا سکتا ہے جن کا بالترتیب پھٹی جرابیں اور بنیان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ ان ذہین لوگوں کو دیا گیا ہے جن کا آئی کیو ایک سو بیس تا ایک سو چالیس تک ہوتا ہے۔ ان میں قائداعظم اور ونسٹن چرچل جیسے رہنماؤں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے دماغ کا دس فیصد تک استعمال کر جاتے ہیں اور ان میں سادگی اور دکھاوا قریباً برابر ہی پایا جاتا ہے۔

چوتھے درجے والے لوگ اپنے دماغ کا نو فیصد استعمال کرتے ہیں اور ان کا آئی کیو ایک سو دس تا ایک سو بیس تک ہوتا ہے ان میں معمولی سا استغنا آجاتا ہے اور انکی توجہ محنت کر کے معاشرے میں بہتر مقام کی تلاش ہوتی ہے۔ مثلاً کسی بھی ملک کا متوسط طبقہ۔

انسانی عظمت کے درجات میں سب سے نچلا یعنی پانچواں درجہ ان عام سے سمارٹ لوگوں کا ہوتا ہے جن کا آئی کیو نوے سے ایک سو دس کے درمیان ہوتا ہے یہ لوگ ہمارے آس پاس بکثرت موجود ہوتے ہیں۔ اس درجہ بندی کو اگر دماغ کے استعمال کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جائے تو یہ لوگ اپنے دماغ کا محض آٹھ فیصد ہی استعمال کرتے ہیں اور ان کی زندگی میں دکھاوا سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسے لوگوں سے لی جاسکتی ہے جن کو نئی نئی دولت ملی ہوتی ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی مانا جاتا ہے کہ ان کے طور اطوار اور ذہن میں سے ابھی غربت نکلی نہیں ہوتی کیونکہ امارت اور غربت کہیں پانچویں نسل میں جاکر ذہن سے نکلتی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ اپنے آپ کو جلد امیر منوانے کے چکر میں برانڈز کے پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں۔

ان تجزیات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر دو سوٹوں اور جوتوں کے ساتھ بھی عزت سے رہا جاسکتا ہے تو الماریاں بھرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ ہم برسہابرس قیمتی سوٹوں میں ملبوس اور مہنگے برانڈز کی کاروں اور کپڑوں میں زندگی بسر کرنے کے وقت حقیقت میں کتنے چھوٹے ہوتے ہیں۔ سادگی حقیقتاً بڑے دماغ کی علامت ہے لہٰذا کیوں نہ ہم دلی خوشی کی خاطر اپنی ضرورت سے زائد ہر چیز بانٹ دیں۔ میرے اس مشورے پر احباب بہت برا مناتے ہیں لیکن کیا ہمارا دین بھی یہی کچھ نہیں سکھاتا؟

"اپنے پاؤں پر کلہاڑی"

کالم میٹھا سچ 781 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 13 مارچ 2024ء

سلویسٹر اور اس کی بیوی یہودی تھے انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ مرنے کے بعد ان کی نعش کو نذر آتش کیا جائے گا۔ بیوی کا انتقال پہلے ہو گیا۔

سلویسٹر نے اس کی نعش جلا کر راکھ ایک گلدان میں ڈال کر ڈرائینگ روم میں رکھ دی۔

اسکے دوست اور مہمان آتے اور لاپرواقسم کے دوست اکثر سگریٹ کی راکھ اس گلدان میں جھاڑتے رہتے تھے۔

ایک روز ایک مہمان نے گلدان میں جھانکا اور بولا، "ارے! تمہاری بیوی کا وزن تو مرنے کے بعد بھی بڑھ رہا ہے!"۔

سوشل میڈیا کا کرشمہ

سعدی، رومی، خلیل جبران، فراز، اقبال، ٹیگور، شیکسپیئر کا تخلیقی کام بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی مرنے کے بعد بھی کر رہا ہے۔ اس فہرست میں تازہ ترین اضافہ مشتاق احمد یوسفی کا ہے

یہ بیچارے اوپر بیٹھے خون کے آنسو روتے ہوں گے ہر خرافات اپنے نام سے منسوب دیکھ کر۔

ڈاکٹر

معذرت کے ساتھ یہ ایک اچھی طنزیہ کہانی ہے لیکن میرے جیسے معمولی قاری نے بھی یوسفی سمیت ان مشاہیر کو پڑھ رکھا ہے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ آپ کی کمال مہربانی ہو گی اگر یوسفی کے کلام میں سے چند نقل شدہ نمونے ہمیں بھجوا دیں تا کہ ان سب مرحوم مشاہیر کی طرح ہم بھی

اپنا سر پیٹ سکیں۔ اور اگر آپ ایسا نہ کر پائیں تو اسی فورم پر اپنی تضحیکی کہانی پر معذرت طلب کر لیں گی ہر اچھے پیشہ ور دانشور کی طرح۔

یہ تو غضب کی ناانصافی ہو گی اگر آپ بھی یہ یقین کر لیں کہ ہم بانجھ زمانے میں جی رہے ہیں اور سعدی، اقبال و جبران کے بعد کوئی نیا ٹیلنٹ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کا خدشہ درست ثابت ہو گیا تو پھر خاطر جمع رکھیں آنے والے زمانے میں لوگ ہمیں بھی پورے ٹیلنٹ کے باوجود تحریر و ادبی چور ہی سمجھیں گے۔

ہارون

سر اس بات سے تو انکار ممکن نہیں ہے کہ سوشل میڈیا پر لوگ بہت سے اقتباسات بلا تحقیق کسی نہ کسی مصنف سے منسوب کر دیتے ہیں۔ آپ کے خدشات درست ہیں لیکن شفق صاحبہ کی پوسٹ بھی بادی النظر میں اسی کے تدارک کے لئے ہے۔

ڈاکٹر

محترم تدارک کسی دوسرے کی تضحیک کر کے تو نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری اپنی حماقتوں سے ہی ماضی میں بھی اقبال، سرسید، سید مودودی، اشفاق احمد اور کئی دوسرے اہم مصلحین اسی طرح بدنام کئے جاتے رہے۔ میرا قیاس ہے کہ یہ ہمارے اوپر دشمن کی مسلط کردہ ادبی دہشتگردی کا شاخسانہ ہے جسے ہم انجانے میں فیس بک پر حاضری کے شوق میں بلا تحقیق پھیلا کر وطن دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

تشفین ظفر

میرے عزیز دوست ہمیں ایک دن شغل میلہ ہی لے ڈوبے گا۔ آپ کے حلقہ اثر میں بیشمار کم علم احباب بھی ہوں گے وہ تو آپ کا نام دیکھتے ہی ایمان لے آئیں گے اور اسی شغل میلے میں ہم اپنے

مشاہیر کے مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔ احتیاط کا تقاضہ ہے کہ سوشل میڈیا کو ہلکا نہ لیں اور دشمن کی ادبی دہشت گردی کا حصہ نہ بنیں۔

" دینی ملاوٹیں"
کالم میٹھا سچ 782 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، 14 مارچ 2024ء

ڈاکٹر اسرار صاحب کے انٹرویو کے دو کلپ جو یہاں شیئر ہوئے ہیں ان دونوں کو ایک ہی رو میں بار بار سمجھنے کی ضرورت ہے جس سے جدیدیت کی طرف بھاگ کر جاتے زمانے میں دورنگی کی الجھن میں پھنسی نسلوں کو کافی حد تک اپنے مذہب بارے شفافیت اور سلجھن حاصل ہو سکتی ہے۔
ڈاکٹر اسرار صاحب کے دوسرے بیان کو اگر مبشر لقمان والے پہلے شیئر کئے گئے انٹرویو سے منسلک کر کے پڑھیں تو صاف سمجھ آجائے گی کہ غلام احمد پرویز اور مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن کو حدیث سے جدا کرنے والی جن طاقتوں کا نمک کھایا تھا وہی مبشر لقمان کو بھی فیڈ کر رہی ہیں۔
یہاں سوال دینی اور لادینی ہونے کا نہیں اور نہ اپنے خیالات کو علامہ سرہندی، علامہ اقبال، مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار کے بالمقابل ابوالکلام، اور پرویز وغیرہ سے منسلک کرنے کا ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ کیسے ایک عام سے سادہ لوح مذہبی شخص کو سوشل میڈیا کے عالمانہ گورکھ دھندوں کی ان الجھنوں سے روشناس کرایا جائے جسے وہ ناسمجھی سے اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہوئے روز بروز اپنے اپنے مذہب یا دین سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمیں مذہب یا دین کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں، یہ ایک بالکل الگ بحث ہو گی۔

ان دونوں کلپس کو سمجھنے کے بعد یہ ہر ایک کی اپنی سمجھ اور ایمان پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟ البتہ دور جدید کی مضبوط معیشتوں نے مذہبی ماحول کافی آلودہ کر دیا ہے اور وہ طاقتیں کافی تیزی سے انسان کو بدل کر دین سے باغی کر رہی ہیں۔

یہاں متذکرہ دونوں انٹرویوز کے لنکس دیئے جا رہے ہیں تا کہ دلچسپی رکھنے والے مکمل دو طرفہ صورتحال جان سکیں۔

https://youtu.be/B0JD2qMIzuI?si=50HyfnvWI3vCi-Yv

https://youtu.be/BQofciSeL0Y?si=P3lEmOOOhGsVgPIF

"یادگار شہیداں"

کالم میٹھا سچ 783 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 14 مارچ 2024ء

چلیں ہمیں کوئی نہیں دیتا تو بازار سے خرید لاتے ہیں۔

ویسے میرے پاس بھی چار عدد گولڈ میڈل برائے فروخت موجود ہیں۔ ہدیہ ایک لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اگر کوئی مناسب قیمت لگا دے تو دو بڑی الماریوں میں قید دیگر میڈلز، کپ، شیلڈز، پرنٹڈ مگ، یادگاری بیگ، فریم شدہ تعریفی اسناد، سووینئیر، مشاہیر کے آٹو گرافس پچیس ممالک کے ایک سو بیاسی سکے، پاکستان اور پولینڈ کی ڈاک ٹکٹوں کے البم اور ایسے ہی گزرے زمانے کی بیکار یادگاریں بھی فروخت کی جاسکتی ہیں تاکہ میں متعدد بار کون آئس کریم کھا سکوں۔ ویسے میں نے اپنی سبھی یادگاریں جمع تو اس نیت سے کی تھیں کہ شاید علامہ اقبال، قاید اعظم اور فیض کی طرح کا کوئی "سلطان میوزیم" قائم کر کے حکومت یہ "نوادرات" وہاں رکھ دے گی مگر اس قوم کو کسی کی قدر ہی نہیں، پرواہ ہی نہیں۔

ویسے ایک آئیڈیا ہے کہ سب مل کر ایک کرائے کی کوٹھی میں میوزیم بنا لیتے ہیں اور اپنے اپنے سپیئر پارٹس وہاں سجا دیتے ہیں۔ دیکھ دکھا کر خوش ہوا کرینگے، محفوظ بھی رہیں گے اور آنے والی نسلوں کے لئے نشان عبرت بھی ہوں گے۔

"راوی دریا کی موت"

کالم میٹھا سچ 784 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 17 مارچ 2024ء

راوی دریا پر بھارت کا اٹھواں ڈیم مکمل۔

پانی مکمل بھارت کے کنٹرول میں اور ہماری ساری طاقت کسی کو اندر اور کسی کو باہر کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

ظہیر احمد بابر پوچھتے ہیں کہ اس ڈیم کی تکمیل سے کیا اب راوی میں سیلاب نہیں آیا کرینگے۔ یوسف احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ سیلاب ہر سال آتا ہے مگر انڈیا کی مرضی سے آتا ہے۔ ہم نے عرض گوش گزار کی ہے کہ نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے۔ بھارت کے پاس پہلے پانی ذخیرہ کرنے کی طاقت نہیں تھی لہذا اسے سیلابی پانی کی تباہیوں سے بچنے کے لئے مجبوراً پانی نچلی جانب چھوڑنا پڑتا تھا۔ اگر اس کا بارشی پانی روکنے پر اختیار ہوتا تو شاید 1960 میں سندھ طاس معاہدے کے وقت ہی سے وہ ایک قطرہ بھی پانی پنجاب کے مشرقی دریاؤں راوی، بیاس اور ستلج میں نہ آنے دیتا۔

یوسف احمد صاحب نے دوبارہ لکھا ہے کہ یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے یہ 1980 اور 90 کی دہائی سے شروع ہوتی ہے جب انہی 40 سالہ اقتدار حاصل کرنے والی حکومتوں نے ایک شخص جماعت علی شاہ کو انڈس واٹر کمیشن کا چیئرمین بنایا تھا وہ کم و بیش 19 سال اسی سیٹ پر رہا اور انہی حکومتوں کی اشیر باد کی وجہ سے اس نے انڈیا کے ڈیم بنانے پہ کوئی نوٹس نہ لیا انڈیا ڈیم پہ ڈیم بناتا رہا اب وہ فرار ہو کے کسی بیرونی ملک ٹرانسفر ہو گیا ہے مہربانی کر کے اس پہ بھی ایک مضمون لکھیے گا۔

ہم نے پھر عرض کی ہے کہ یوسف بھائی میں انڈس واٹر کمشنر کے کردار پر چار کالم لکھ چکا ہوں جس میں نے کہانی وہاں سے شروع کی تھی جب جماعت علی شاہ نے مجھے بھارتی ایجنٹ ثابت کرنے کے لئے میرے خلاف واپڈا کے چیئرمین کو خط لکھا کیونکہ میں نے نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کے لئے اپنی ماحولیاتی رپورٹ میں بھارت کے کشن گنگا دریا سے سردیوں میں 27 اور گرمیوں میں 13.6 کیومک پانی لینے کا لکھا۔ اس وقت دو پاکستانی اداروں واپڈا اور نیسپاک میں بیٹھے بھارتی ایجنٹوں کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ بھارتی انڈس واٹر کمشنر چار کیومک سے زیادہ پانی دینے پر راضی نہ تھا۔ سب نے مل کر جماعت علی شاہ کو آگے لگا کر میرے خلاف انکوائری کھڑی کر دی جس میں اللہ کے فضل سے پراجیکٹ ڈائریکٹر جنرل زبیر نے سب غداروں کے غبارے سے ہوا نکال دی اور مجھے صاف شفاف قرار دے دیا۔ یہ وائٹ پیپر آج بھی میرے پاس موجود ہے۔

"کیا اولاد نام روشن کرتی ہے؟"
کالم میٹھا سچ 785 از ڈاکٹر سلطان محمود
لاہور، ؟؟مارچ 2024ء

"آپ کے مر جانے کے بعد آپکی اولاد آپکا نام زندہ رکھتی ہے"۔
اس جملے کو جھوٹ ثابت کرنے والے کانٹ، نطشے، ڈیکارٹ، ڈیوڈ ہیوم، جون لاکس، تھامس ایکیونس، لابنیز، اسپینوزا، سارتر، شوپن ہاور، وڑگنسٹائن، کریگارڈ، والٹیر، ایڈم سمتھ، تھامس ہوبز، افلاطون، اور مزید سینکڑوں فلاسفر جنہوں نے شادیاں نہیں کی اور کائنات کی پیچیدہ گھتیاں سُلجھانے کو شادی پر ترجیح دی۔
آج سینکڑوں سال بعد بغیر نسلوں کے ان کا نام اور انکے احسانات کائنات میں زندہ و جاوید ہیں۔
واقعی نام زندہ رکھنے میں اولاد کا کوئی کردار نہیں۔ مثال کے طور پر محمد ﷺ، پانچوں خلفاء، بہادر شاہ ظفر، ابوالکلام آزاد، ٹیگور، گاندھی، اندرا، نذر الاسلام، پرویز، مودودی، ڈاکٹر اسرار، علامہ مشرقی، جوہر برادران، فیض، علامہ اقبال، محمد علی جناح، میری کیوری، کوپرنیکس، گیلیلیو، مارک ٹوئین، ہیگل، اور سینکڑوں دیگر انبیاء، مصلحین، سیاستدانوں، سائنسدانوں، مصنفین، فلاسفرز، علماء وغیرہ کی اولادیں گمشدہ ہی ہیں اور اپنے والدین کا نام چمکا نہیں سکیں۔

"ہمارے سروے"

کالم میٹھا سچ 786 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 20 مارچ 2024ء

بشیر ہرل

آپ وہ حقیقی اعداد و شمار یہاں لکھ دیں تو علم میں اضافہ اور ابہام میں کمی ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر

سر میں خود تو مردم شُماری کر نہیں سکتا لیکن پاکستان کی مردم شُماری خاصی مشکوک ہے۔ بھارت کی مردم شُماری کے مطابق وہاں ہزار مرد کے مقابل ایک ہزار بیس عورتیں ہیں اور حالات بھی ہم سے مختلف نہیں۔

وحید بٹ

جی میرے وطن پاکستان کی حالت اسقدر شاندار ہے کہ اسکا تعلیم یا قاؤن، بالغوں اور دولتمندوں کا ڈیٹا جو یو این او کو مہیا کیا گیا وہ درست ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے بلکہ بینکر ہونے کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں ہمارا دولتمندوں کی دولت کا تقسیمی تعداد بھی نا قابل اعتبار ہی ہے۔ پاکستان جھوٹوں کا "بانگ۔۔۔۔ستان" ہے۔

ڈاکٹر

چند برس پہلے کے ایک سروے کے مطابق پاکستان جھوٹ بولنے والے ممالک میں پہلے نمبر پر تھا دوسرے پر مصر اور تیسرے پر نائجیریا۔ یہ بات ایک قابل اعتماد سینئر سفارتکار نے ایک کانفرنس

میں بتائی۔ میں کسی زمانے میں حکومت پنجاب کے ڈیٹا سیکشن میں رہ چکا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کا بیورو آف سٹیٹسٹکس کیسے کام کرتا ہے۔ بس چپ ہی بھلی۔

چونکہ اقوام متحدہ کا فیصلہ کن حکم ہے کہ ان کی دستاویزات میں صرف حکومتی ذرائع سے لیا گیا ڈیٹا ہی استعمال ہو گا کیونکہ اس کی تصدیق میں تنقیدی بحث شروع نہ ہوتی۔ بس پھر ہم بھی دیگر ممالک کی طرح اپنے سیاسی ایجنڈے کے مطابق انہیں ڈیٹا فراہم کرتے ہیں۔ پچھلی مردم شُماری میں کراچی کا گلہ تو سب کو یاد ہو گا۔

ایک بار پی اینڈ ڈیپارٹمنٹ پنجاب (شمار) کرایا اور میرے ذمے حیوانات اور ان کے نے صوبے بھر کے ذرائع دولت کا کسانوں کی معلومات اکٹھی کرنا تھا۔ بس پھر کہوں گا

census

کہ بس چپ ہی بھلی۔ میرے پاس سن 2000ء کی رپورٹ پڑی ہے اگر کسی کے پاس وقت ہے تو تصدیق کے لئے بھجوا سکتا ہوں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

شماریات چونکہ پلاننگ کی ریڑھ کی ہڈی ہے اس لئے حکومتیں اپنی مرضی سے فنڈنگ کی پلاننگ کی خاطر جھوٹ بولتی ہیں۔

میں نے پاکستان میں صرف ایک سروے رپورٹ میں درست ڈیٹا دیکھا ہے لیکن وہ 1987ء میں ڈچ ایجنسی نے بلوچستان بارے کرایا تھا شاید تب بلوچستان بارے امریکن لابی کوئی خاص مقصد حاصل کرنا چاہ رہی تھی اس لئے سچا سروے کرایا گیا۔

علاوہ ازیں میں حلیب دودھ بارے ایک پرائیویٹ ادارے کے ایک سروے میں پنڈی کا انچارج رہا ہوں 1983ء میں اس لئے ہم معلومات کیسے اکٹھی کرتے ہیں شاید مجھ جیسے لوگ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔

"اے جہالت تیرا ہی آسرا"

کالم میٹھا سچ 787 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 21 مارچ 2024ء

ہم آج اپنے دیہاتیوں کے وہ کارنامے یہاں درج کرنا چاہ رہے ہیں جو وہ مکہ و مدینہ جیسے مقامات مقدسہ میں دھڑلے سے سرانجام دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ احباب کے علم میں مزید کارنامے بھی ہوں جنہیں یہاں لکھا نہیں جاسکا اور اس پر پیشگی معذرت۔ ہمارا مقصد ان خواتین و حضرات کو تھوڑی سے شرم دلانا ہے جو اللہ اور رسول کے عشق کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ان مقامات پر ایسی حرکات کر جاتے ہیں جو صاف طور پر بے ادبی میں شمار ہوتی ہیں۔ کاش ہم اپنے گریبان میں جھانک کر اس نام نہاد عشق پر ذرا غور کریں جو ہمیں ادب نہیں سکھا پایا۔

آیئے ذرا ان کارناموں کا ذکر کریں جو یقیناً جہالت کی معراج ہیں۔

1. مقدس مقامات پر بلا تفریق بھیک مانگنا۔
2. بمعہ پورے خاندان کے نیز افطار کے دستر خوان سے دہی اور بن کے دو چار پیکٹس پرس یا کپڑوں میں چھپا کر رفو چکر ہو جانا۔
3. مقدس مقامات جیسے غار حرا وغیرہ میں اپنے خالہ پھوپھو چاچا جانو کے نام لکھ کر آنا کہ یا اللہ ارشد کو یہاں بلا لے۔ یا اللہ یہاں آنے والوں کی مغفرت فرما۔ جو بھی یہاں آئے مجھ خاکسار کو اپنی دعا میں یاد رکھے منجانب قیوم علی، یا اللہ میرے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے وغیرہ۔
4. غلاف کعبہ کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالین کے دھاگے نوچ نوچ کر یا کاٹ کر بطور تبرک لانا اور امی ابا کے کفن میں رکھنے کی پلاننگ کرنا۔

5. یہ خواتین کے لیے ہے (ریاض الجنہ میں نماز کے لیے دھکا، مکا اور چٹکی کا استعمال کر کے آگے والی کو راستے سے ہٹانے کے بعد عین روضہ مبارک کے سامنے ستون پر چڑھ کر کہنا لا موبائل نکال تصویر لے لوں۔

6. کھجور کی گٹھلیاں اور بسکٹ کے ریپرز قالین کے نیچے چھپا دینا۔

7. مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر رکھے زم زم کے کولرلز کے سامنے اسکارف کھول کر گلے اور بالوں پر زم زم ملنا اور سارے ایریا کو پانی میں چھم چھم کرنا پھر عربی خادمہ کے ہاتھوں عربی میں ذلیل ہو کر تھوڑی دیر بعد یہی حرکت دوہرانا۔

8. کیوں کہ پاکستان میں خواتین کا مساجد میں جانے کا رواج نہیں ہے اس لیے اکثریت کو جماعت سے نماز نہیں آتی بس جماعت کھڑے ہوتے ہی تماشے بازی کا مظاہرہ نہیں مقابلہ شروع۔ کچھ پتا نہیں کہ کیا کرنا ہے ادھر ادھر نظریں چلا کر جو جیسا کر رہا ہے فالو کرنا اور خوب غلطیاں کرنا۔

9. مرد حضرات بھی پیچھے نہیں روضہ مبارک کے سامنے گھر پر ویڈیو کال ملا کر سلام کروانا امی یا بیگم بیڈ پر لیٹی ہوئی پیچھے سے سارے مرد دیکھ رہے لیکن عاشق مگن ہے کہ امی بس جلدی سے سلام کر لیں۔ پریشان مت ہو شبانہ اگلی بار تم بھی یہاں آؤ گی پیچھے سے پوری امہ شبانہ کا دیدار کر رہی ہے۔ (استغفر اللہ)

ائیر پورٹ پر رفع حاجت کے لئے کموڈ لگے ہوتے ہیں جن پر بیٹھنا ہماری آدھی عوام کو نہیں آتا تو جوتے چپلیں لے کر کموڈ پر انڈین ٹوائلٹ کے اسٹائل میں بیٹھ جانا۔

10. حرم کے صحن میں چپل بیگ سے نکال کر زور سے پٹخنا اور پھر پہننا۔

11 خواتین کا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر بیٹھ کر گھریلو سیاست پر کھل کر تبصرے کرنا۔

12 ہماری پیاری خواتین عبایا پہننا گناہ سمجھتی ہیں شاید بہت بڑی تعداد میں لان کے چھلکا جیسے کپڑوں میں گھومتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔

13 مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحن میں ویل چیئر زرکھی ہوتی ہیں تاکہ ضرورت مند افراد استعمال کریں۔ دیگر ممالک کی خواتین استعمال کر کے وہیں چھوڑ جاتیں تاکہ کوئی اور استعمال کرے۔ ہمارے یہاں کی شاہکار خواتین ویل چیئر پر چپلیں، زم زم کی بوتلیں، بیگ جائے نماز سب لٹکا کر اسے فقیر کا ٹھیلا بنا کر خود نیچے بیٹھ جاتی ہیں اور اگر کوئی مانگ لے تو ایسے تیور دیکھائے جاتے ہیں کہ بندہ سہم جائے اور جو ویل چیئر اماں وغیرہ کے لیے لیتی ہیں وہ حرم سے نکال کر ہوٹل تک لے جاتی ہیں۔ مطلب کوئی احساس ہی نہیں کہ یہ حرم کے لیے ہے اور استعمال کے بعد وہیں رکھ دیں تاکہ کوئی اور استعمال کرلے۔

14 مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نکاح کی آڑ میں بیباکی، گستاخی اور جہالت کا شاندار مظاہرہ کرنا۔ دولہن کو مکمل سجا سنوار کر عین گنبد خضرا کے سامنے بیٹھا کر نکاح کروانا، دولہن ہوٹل سے اسی حلیے میں آتی اور جاتی ہے۔ سوچیں کتنے نامحرموں کی آنکھوں کا رزق بنتی ہے۔۔

سبحان اللہ۔ نئیں ریساں ساہڈیاں۔ شیطان کو کنکریوں کی بجائے جوتوں سے پیٹنا بھی شامل کرلیں۔

"آج کے مصنف"

کالم میٹھا سچ 788 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 23 مارچ 2024ء

ہمارے حلقہ احباب میں بھی اس حقیقت کے باوجود کہ کوئی کتاب پڑھتا نہیں، کتابیں لکھنے کے بہت شوقین پائے جاتے ہیں حیرت ہے کہ ان کی کتابیں پھر چھپ بھی جاتی ہیں اور اس سے بڑی حیرت کہ بکتی ایک بھی نہیں اور سالہا سال الماریاں بھرنے کے بعد پھر ردی والے کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ کتابوں کے پہاڑ یا حیرتوں کے پہاڑ۔ ہر کسی کو اپنا کاکا، شعر اور کتاب بہت پسند ہوتے ہیں چاہے "منہ نہ متھا جن پہاڑوں لتھا"

ہمیں اپنے ہی اقوال زریں پر مشتمل کتاب لکھنے والے ایک شوخے سے پروفیسر ملے جو اس بات پہ بہت اترا رہے تھے کہ میں دنیا کا واحد مصنف ہوں جس نے اپنے اقوال زریں خود لکھے۔ انہوں نے تب ہمیں زہر آلود نظروں سے گھورا جب ہم کہہ بیٹھے کہ کسی کا بھی قول تب زریں کہلاتا ہے جب دوسرے اسے زریں کہیں۔ خیر ان کے چند خود ساختہ "اقوال" کا نمونہ ملاحظہ ہو:

1. ابھی سے رولے جتنا رونا ہے پھر مرنے کے بعد نہ پچھتانا
2. اخلاق سیکھ پیارے۔ اگر تجھے بسنت پر اندھا مل جائے تو اسے بہارنہ دیکھنے کا طعنہ نہ دینا۔
3. ارے پگلے اگر تجھے نکاح اور جنازے کی دعا نہیں آتی تو پھر نہ شادی کرنا اور نہ مرنا۔
4. دہی لاتے کتا پڑ جائے تو گھبرانا نہیں کیونکہ کتا دہی نہیں کھاتا۔
5. اب قیامت کے روز نہ کہنا کی مجھے محبت ہے۔

وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی پانچ ہزار اقوال زریں۔

آخر میں بڑے دکھی انداز میں بولے کہ قوم میں کتاب خرید کر پڑھنے کی عادت نہیں رہی۔

"ماحولیاتی اثرات"

کالم میٹھا سچ 789 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 مارچ 2024ء

1. ۔حالیہ دنوں میں درجہ حرارت میں اضافے کے ذمہ دار کون سے قدرتی عوامل ہیں؟
2. یہ بہت سے قدرتی عوامل کی وجہ سے ہوئے ہیں، بشمول سورج میں تبدیلی، آتش فشاں سے اخراج، زمین کے مدار میں تغیرات اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی سطح۔ عالمی موسمیاتی تبدیلی عام طور پر بہت آہستہ آہستہ، ہزاروں یا لاکھوں سالوں میں واقع ہوئی ہے۔
3. ۔آج کل پاکستان کے لوگوں کو جن سب سے اہم موسمیاتی چیلنجز کا سامنا ہے؟
4. پاکستان اکثر گرمی کی لہروں، خشک سالی، دریائی سیلاب، لینڈ سلائیڈنگ اور طوفانوں سمیت طوفانوں سے دوچار رہتا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی کے اثرات میں وسیع اور قوی منفی تاثرات شروع کرنے کی صلاحیت ہے جو معاش اور صحت عامہ دونوں کو متاثر کرتی ہے۔
5. ۔خشک سالی، سیلاب، اور اشنکٹبندیی طوفانوں کے کون سے بڑے عوامل ہیں جو 3 انسانی زندگی کو متاثر کرتے ہیں؟

6. خشک سالی بارشوں کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے جس سے پانی کی شدید قلت ہوتی ہے۔ یہ جان لیوا ہو سکتا ہے۔ مزید خاص طور پر، خشک سالی کی تعریف کم بارش اور زیادہ درجہ حرارت کی وجہ سے غیر معمولی طور پر خشک موسم کی مدت سے ہوتی ہے۔

موسم اور آب وہوا

موسم اور آب وہوا کو متاثر کرنے والے اہم عوامل کون سے ہیں؟

موسم کا تعین کرنے کے لیے، پہلا قدم اس جگہ کے ماحول کو متاثر کرنے والے موجودہ عوامل کا تعین کرنا ہے۔ موسم کو متاثر کرنے والے پانچ اہم عوامل درجہ حرارت، ہوا کا دباؤ، نمی، بادل اور ہوا ہیں۔

موسمیاتی تبدیلی کے اثرات

- زیادہ گرم درجہ حرارت۔ جیسے جیسے گرین ہاؤس گیسوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح عالمی سطح کا درجہ حرارت بھی بڑھتا ہے۔
- مزید شدید طوفان۔
- خشک سالی میں اضافہ۔
- ایک گرم، ابھرتا ہوا سمندر۔
- پرجاتیوں کا نقصان۔
- کافی خوراک نہیں۔
- مزید صحت کے خطرات۔
- غربت اور بے گھری۔

موسمیاتی تبدیلی کے اہم اثرات کیا ہیں؟

موسمیاتی تبدیلی کی علامات ہمارے چاروں طرف ہیں: انتہائی موسم، کم ہوتی سمندری برف، سال بہ سال ریکارڈ توڑ گرمی، خشک سالی، آگ اور ماحولیاتی نظام پر دباؤ۔ ان میں سے بہت سے نتائج انسانوں کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔

1۔ سیلاب کی وجوہات کیا ہیں؟

سیلاب عام طور پر اس وقت آتا ہے جب طویل بارش کئی دنوں میں ہوتی ہے، جب شدید بارش مختصر وقت میں ہوتی ہے، یا جب برف یا ملبے کے جام کی وجہ سے کوئی دریا یا ندی آس پاس کے علاقے میں بہہ جاتی ہے۔ پانی کے کنٹرول کے ڈھانچے کی ناکامی سے بھی سیلاب آسکتا ہے، جیسے لیوی یا ڈیم۔

سیلاب کے اثرات

سیلاب کے اہم اثرات۔ جیسے جیسے سیلاب کا پانی پھیلتا ہے اس سے جانوں کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، املاک اور کاروبار ڈوب سکتے ہیں، سامان کو تباہ کر سکتے ہیں، اہم بنیادی ڈھانچے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ضروری عوامی خدمات تک رسائی کو روک سکتے ہیں۔

2۔ گرم مرطوب سائیکلون

زمین کا گرم اور مرطوب ماحول اور گرم سمندر اس بات کا امکان بناتے ہیں کہ طاقتور ترین سمندری طوفان زیادہ شدید ہوں گے، زیادہ بارشیں ہوں گے، نئے علاقوں کو متاثر کریں گے، اور ممکنہ طور پر بڑے اور طویل عرصے تک زندہ رہیں گے۔ اس کی تائید شمالی بحر اوقیانوس میں دستیاب مشاہداتی شواہد سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ، سطح سمندر میں اضافہ سمندری پانی کی مقدار کو بڑھاتا ہے جو ساحلی طوفانوں کے دوران ساحل کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے، جو کہ طوفانوں سے پیدا ہونے والی زیادہ بارشوں کے ساتھ، مزید تباہ کن طوفان کے اضافے اور سیلاب کا باعث بن سکتا ہے۔ اگرچہ

گلوبل وارمنگ ممکنہ طور پر سمندری طوفانوں کو مزید شدید بنا رہی ہے، ہر سال سمندری طوفانوں کی تعداد میں تبدیلی کافی غیر یقینی ہے۔ یہ جاری تحقیق کا موضوع بنی ہوئی ہے۔
تیز گرج چمک کے لیے کچھ حالات ساز گار ہیں جو طوفان کو جنم دیتے ہیں گرمی کے ساتھ بڑھنے کی توقع ہے، لیکن دیگر عوامل میں غیر یقینی صورتحال موجود ہے جو طوفان کی تشکیل کو متاثر کرتے ہیں، جیسے ہواؤں کی عمودی اور افقی تغیرات میں تبدیلی۔

3۔ موسمیاتی تبدیلیوں سے عالمی سطح پر پاکستانی معیشت کو کس طرح خطرہ ہے؟

موسمیاتی تبدیلیوں اور پانی کے وسائل کے بے تحاشہ استعمال نے پاکستان میں خشک سالی کو کثرت سے، زیادہ دیر تک رہنے اور بدتر بنا دیا ہے۔ خشک سالی سب سے عام قدرتی خطرہ ہے جس کا پاکستان کو پچھلے دس سالوں میں تین بار سامنا کرنا پڑا ہے۔ 2000 کے بعد سے، پنجاب اور بلوچستان بہت سے شدید سیلابوں کی زد میں آ چکے ہیں۔

4۔ موسمیاتی تبدیلیاں پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے کس حد تک خطرہ ہیں؟

موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے گندم اور چاول کی فصل کی پیداواری صلاحیت میں کمی سے پاکستان کو 2050 تک حقیقی جی ڈی پی میں 19.5 بلین ڈالر لاگت آئے گی، اندازوں کے مطابق اجناس کی قیمتوں میں اضافہ اور گھریلو نجی کھپت میں ڈرامائی طور پر کمی واقع ہو گی۔

5۔ پاکستان میں درجہ حرارت میں اضافے کے ذمہ دار کون سے انسانی عوامل ہیں؟

درجہ حرارت انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے بڑھ رہا ہے جس کے نتیجے میں گلوبل وارمنگ ہو رہی ہے۔ پاکستان میں گرمیوں کا موسم طویل ہو گیا ہے جبکہ سردیاں مختصر ہو گئی ہیں۔ گرمیاں زیادہ گرم ہو گئی ہیں اور اس طرح چلچلاتی دھوپ کے اوقات میں بیرونی سرگرمیوں میں مصروف لوگوں کی زندگیاں متاثر ہو رہی ہیں۔

انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے درجہ حرارت بڑھتا ہے؟

جیواشم ایندھن کو جلانا، جنگلات کی کٹائی اور کھیتی باڑی کرنے والے مویشی آب وہوا اور زمین کے درجہ حرارت کو تیزی سے متاثر کر رہے ہیں۔ اس سے ماحول میں قدرتی طور پر پائے جانے والے گرین ہاؤس گیسوں کی بہت زیادہ مقدار شامل ہوتی ہے، جس سے گرین ہاؤس اثر اور گلوبل وارمنگ میں اضافہ ہوتا ہے۔

بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کے انسانی اثرات کیا ہیں؟

ایک گرم آب وہوا کی توقع ہے کہ شدید گرمی اور خراب ہوا کے معیار سے بیماریوں اور موت کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ موسمیاتی تبدیلی ممکنہ طور پر انتہائی واقعات (جیسے سیلاب، خشک سالی اور طوفان) کی تعداد اور طاقت میں اضافہ کرے گی جو انسانی صحت اور حفاظت کو خطرہ ہیں۔

6۔ آپ پاکستان کے لوگوں پر موسمیاتی تبدیلیوں کے انتہائی اثرات کو کم کرنے کی سفارش کیسے کرتے ہیں؟

ہمارے توانائی کے اہم ذرائع کو صاف اور قابل تجدید توانائی میں تبدیل کرنا فوسل فیول کا استعمال روکنے کا بہترین طریقہ ہے۔ ان میں شمسی، ہوا، لہر، سمندری اور جیوتھرمل پاور جیسی ٹیکنالوجیز شامل ہیں۔ پائیدار ٹرانسپورٹ پر سوئچ کریں۔ پٹرول اور ڈیزل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور بحری جہاز فوسل فیول استعمال کرتے ہیں۔

7۔ موسمیاتی تبدیلی کو روکنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

وہ چیزیں جو آپ موسمیاتی تبدیلی کے بارے میں کر سکتے ہیں۔

اپنی آواز اقتدار والوں تک پہنچائیں۔

گوشت اور دودھ کم کھائیں۔

اڑنے پر کاٹ دیں۔
گاڑی گھر پر چھوڑ دو۔
اپنی توانائی کے استعمال اور بلوں کو کم کریں۔
سبز جگہوں کا احترام اور حفاظت کریں۔
بینک کریں اور اپنی رقم ذمہ داری سے لگائیں۔

1. What are the natural factors responsible for the increase in temperature during recent times?

These have been caused by many natural factors, including changes in the sun, emissions from volcanoes, variations in Earth's orbit and levels of carbon dioxide (CO2). Global climate change has typically occurred very slowly, over thousands or millions of years.

2. What are the most significant climatic-related challenges that people in Pakistan are facing today?

Pakistan is frequently plagued by heat waves, droughts, river and flash floods, landslides, and storms, including cyclones. The impact of climate change has the potential to initiate extensive

and potent negative feedback loops that affect both livelihoods and public health.

3. What are the major factors of droughts, floods, and tropical cyclones that influence human life?

3a. DROUGHT is caused by a lack of rainfall, causing serious water shortages. It can be fatal. More specifically, drought is defined by a period of unusually dry weather caused by low rainfall and high temperatures.

3b. WEATHER AND CLIMATE

What are the major factors that affect weather and climate?

To determine the Weather, the first step is to determine the current factors affecting the atmosphere in that location. The five main factors affecting Weather are temperature, air pressure, humidity, cloudiness, and wind.

3c. What are 10 major effects of climate change?

Effects of Climate Change

Hotter temperatures. As greenhouse gas concentrations rise, so does the global surface temperature.

- More severe storms.
- Increased drought.
- A warming, rising ocean.
- Loss of species.
- Not enough food.
- More health risks.
- Poverty and displacement.

What are the 7 main impacts of climate change?

Symptoms of climate change are all around us: extreme weather, diminishing sea ice, year after year of record-breaking warmth, drought, fires, and stress to ecosystems. Many of these consequences will create hardship for humans.

3d. FLOODS

What are causes of flood?

Flooding typically occurs when prolonged rain falls over several days, when intense rain falls over a short period of time, or when an ice or debris jam causes a river or stream to overflow onto the surrounding area. Flooding can also result from the failure of a water control structure, such as a levee or dam.

What are 5 effects of floods?

Main impacts of floods. As floodwaters spread they can threaten lives, inundate properties and businesses, destroy belongings, damage vital infrastructure and prevent access to essential public services.

3e. TROPICAL CYCLONES

Earth's warmer and moister atmosphere and warmer oceans make it likely that the strongest hurricanes will be more intense, produce more rainfall, affect new areas, and possibly be larger and longer-lived. This is supported by available observational evidence in the North Atlantic. In addition, sea level rise (see Question 14) increases the amount of seawater that is pushed on to shore during coastal storms, which, along with more rainfall produced by the storms, can result in more destructive storm surges and flooding. While global warming is likely making hurricanes more intense, the change in the number of hurricanes each year is quite uncertain. This remains a subject of ongoing research.

Some conditions favourable for strong thunderstorms that spawn tornadoes are expected to increase with warming, but uncertainty exists in other factors that affect tornado formation, such as changes in the vertical and horizontal variations of winds.

4. How does climatic changes threat on Pakistani economy at the global level?

Climate change and overusing water resources have made droughts in Pakistan happen more often, last longer, and be worse. Drought is the most common natural hazard that Pakistan has faced three times in the last ten years. Since 2000, Punjab and Baluchistan have been hit by a number of very bad floods.

How climate change is a threat to the economic growth of Pakistan?

Climate change−induced reductions in wheat and rice crop productivity would cost Pakistan $19.5 billion in real GDP by 2050, according to the estimates, with commodities prices rising and domestic private consumption declining dramatically.

5. What are the human factors responsible for the temperature increase in Pakistan?

The temperature is rising due to anthropogenic activities resulting in global warming. Summer season has prolonged while winters have become short in Pakistan. Summers have become hotter and thus affecting the lives of the people engaged in outdoor activities during scorching sun hours.

What human activities cause rising temperatures?

Burning fossil fuels, cutting down forests and farming livestock are increasingly influencing the climate and the earth's temperature. This adds enormous amounts of greenhouse gases to those naturally occurring in the atmosphere, increasing the greenhouse effect and global warming.

What is the human impact of rising temperatures?

A warmer climate is expected to increase the risk of illnesses and death from extreme heat and poor air quality. Climate change will likely increase the frequency and strength of extreme events (such as floods, droughts, and storms) that threaten human health and safety.

6. How do you recommend to minimizing the extreme impact of climatic changes on the people of Pakistan?

Changing our main energy sources to clean and renewable energy is the best way to stop using fossil fuels. These include technologies like solar, wind, wave, tidal and geothermal power. Switch to sustainable transport. Petrol and diesel vehicles, planes and ships use fossil fuels.

What are 5 things we can do to stop climate change?

Things you can do about climate change

• Make your voice heard by those in power.
• Eat less meat and dairy.
• Cut back on flying.
• Leave the car at home.
• Reduce your energy use, and bills.
• Respect and protect green spaces.
• Bank and invest your money responsibly.
• Cut consumption and waste.

"غذائی ریشہ"

کالم میٹھا سچ 790 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 24 مارچ 2024ء

یہ 2003ء میں چھپنے والی اسرائیلی ریسرچ سٹڈی اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن اس کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ اس سے قبل اس موضوع پر کام نہیں ہوا۔

میری 1992ء کی ڈاکٹریٹ کا جزوی موضوع یہی تھا جس میں میں نے وار سا یونیورسٹی پولینڈ سے 1992ء میں تعلیمی امتیاز (اکیڈمک ڈسکنشن) حاصل کیا تھا۔

مثلاً میں نے غذائی فائبر کی تین اقسام پر کام کیا تھا یعنی قابل حل ریشہ، ناقابل حل اور پری بائیوٹک فائبر۔ ان میں حیوانات کی غذا میں شامل نیوٹرل ڈٹرجنٹ فائبر

اور (ADF) (ایسڈ ڈٹرجنٹ لگنن) کا الگ الگ مطالعہ کر کے انہیں صحتمند انسانی ڈیٹرجنٹ فائبر غذا کے ساتھ جوڑ کر بتایا تھا کہ انسانی غذا میں فائبر یا ریشہ دو

ADL (NDF)

دو قسموں، حل پذیر اور ناحل پذیر، میں آتا ہے جو دونوں انسانی صحت کے لیے فائدہ مند ہیں۔

حل پذیر فائبر والی صحت مند غذاؤں میں معلوم کیا تھا کہ سر فہرست دلیا، چیایا تخم ملنگا، گری دار میوے، پھلیاں، دال، سیب اور بلیو بیریز شامل ہیں۔ ناقابل حل ریشہ یا کچھ زیادہ فائبر والی غذائیں مثلاً جنہیں آپ اپنی غذا میں بھی شامل کر سکتے ہیں ان میں بینز یا پھلیاں، بروکولی، بیر، ایوکاڈو، پاپ کارن، سیب، سارے اناج، خشک میوے، گری دار میوے اور آلو ہیں۔ ان کا ریشہ عموماً پانی میں

تحلیل نہیں ہوتا لیکن ہمارے نظام انہضام کے ذریعے خوراک کو منتقل کرنے میں مدد کر سکتا ہے اور خون میں کولیسٹرول اور شوگر کو کم کر سکتا ہے۔

ناقابل حل غذائی ریشے پاخانے کا وزن اور سائز بڑھا کر اسے نرم کرتے ہے جس سے قبض کا امکان کم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ پانی جذب کرتا ہے اور آنتوں کی صحت کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔

چونکہ ہم انسان بھی ممالیہ جانور ہیں، جس طرح ہم گوشت کھاتے ہیں، ہمارے خلیات اور غذائی اجزاء کے لیے ان کی ضروریات ممالیہ حیوانات کے مماثل ہیں۔

ہمارا غذائی ریشہ اور سارا اناج وٹامنز، معدنیات، اور آہستہ آہستہ ہضم ہونے والی توانائی سمیت غذائی اجزاء کا وافر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ اس میں فائٹوکیمیکلز جیسے فینولکس، کیروٹینائڈز، لگنن، بیٹاگلوکین اور انسولین شامل ہیں۔

REFERENCES

What are the 3 types of Fibre?

Insoluble fiber, soluble fiber, and probiotic fiber are all essential to our health and well-being. Here's why — and which foods have them. There are three forms of fiber, and we need some of each to thrive.02-Sept-2020

Neutral detergent fiber (NDF) is the most common measure of fiber used for animal feed analysis, but it does not represent a

unique class of chemical compounds. NDF measures most of the structural components in plant cells (i.e. lignin, hemicellulose and cellulose), but not pectin.

ACID-DETERGENT FIBER (ADF) is the portion of fiber that is composed of cellulose and lignin. ADF is related to forage digestibility (energy) and is used to calculate forage total digestible nutrients (TDN) or net energy (NE) for hay, haylage and corn silage. Forages lower in ADF are usually higher in energy.

ADL (Acid Detergent Lignin), which is used to determine the digestibility and net energy value of feed, means lignin which is insoluble in acid detergent solutions. The acid detergent lignin (ADL) assay is the process of calculating the amount of lignin, one of the plant cell wall compounds, in the feed sample.

Fiber comes in two varieties, both beneficial to health:

Foods with soluble fiber include oatmeal, chia seeds, nuts, beans, lentils, apples, and blueberries. Insoluble fiber, which does not dissolve in water, can help food move through your digestive system, promoting regularity and helping prevent constipation.

What is the difference between soluble and insoluble Fibres?

Soluble fiber may reduce blood cholesterol and sugar. It helps your body improve blood glucose control, which can aid in reducing your risk for diabetes. Insoluble fiber attracts water into your stool, making it softer and easier to pass with less strain on your bowel.

Crude fiber is important in the diets of ruminant animals, which can ferment a large portion of it. Crude fiber is described in detail below. Crude fiber measures fermentable components of the feed. Crude fiber has little energy value but is important for gut health in pigs and poultry.

Dietary fiber increases the weight and size of your stool and softens it. A bulky stool is easier to pass, decreasing your chance of constipation. If you have loose, watery stools, fiber may help to solidify the stool because it absorbs water and adds bulk to stool. Helps maintain bowel health.

What is a normal bowel movement?

You should expect to pass stools between three times a day and three times a week. Anything greater than three times a day may

be due to diarrhea, while anything less than three times a week may be due to constipation. Stools should be brown, have a peanut butter-like texture, and look like a sausage.13-Jun-2023

What are the 3 types of Fibre?

Insoluble fiber, soluble fiber, and prebiotic fiber are all essential to our health and well-being. Here's why — and which foods have them. There are three forms of fiber, and we need some of each to thrive.02-Sept-2020

Neutral detergent fiber (NDF) is the most common measure of fiber used for animal feed analysis, but it does not represent a unique class of chemical compounds. NDF measures most of the structural components in plant cells (i.e. lignin, hemicellulose and cellulose), but not pectin.

ACID-DETERGENT FIBER (ADF) is the portion of fiber that is composed of cellulose and lignin. ADF is related to forage digestibility (energy) and is used to calculate forage total digestible nutrients (TDN) or net energy (NE) for hay, haylage and corn silage. Forages lower in ADF are usually higher in energy.

ADL (Acid Detergent Lignin), which is used to determine the digestibility and net energy value of feed, means lignin which is insoluble in acid detergent solutions. The acid detergent lignin (ADL) assay is the process of calculating the amount of lignin, one of the plant cell wall compounds, in the feed sample.

Fiber comes in two varieties, both beneficial to health:

Foods with soluble fiber include oatmeal, chia seeds, nuts, beans, lentils, apples, and blueberries. Insoluble fiber, which does not dissolve in water, can help food move through your digestive system, promoting regularity and helping prevent constipation.

What is the difference between soluble and insoluble Fibres?

Soluble fiber may reduce blood cholesterol and sugar. It helps your body improve blood glucose control, which can aid in reducing your risk for diabetes. Insoluble fiber attracts water into your stool, making it softer and easier to pass with less strain on your bowel.

Crude fiber is important in the diets of ruminant animals, which can ferment a large portion of it. Crude fiber is described in detail below. Crude fiber measures fermentable components of the feed.

Crude fiber has little energy value but is important for gut health in pigs and poultry.

Dietary fiber increases the weight and size of your stool and softens it. A bulky stool is easier to pass, decreasing your chance of constipation. If you have loose, watery stools, fiber may help to solidify the stool because it absorbs water and adds bulk to stool. Helps maintain bowel health.

What is a normal bowel movement?

You should expect to pass stools between three times a day and three times a week. Anything greater than three times a day may be due to diarrhea, while anything less than three times a week may be due to constipation. Stools should be brown, have a peanut butter-like texture, and look like a sausage.13-Jun-2023

How much fibre per day?

30g

How much fibre should I be eating? The current recommendation is that adults should eat 30g of fibre a day. Currently, average intakes are around 20g a day, so most of us have a long way to go.

To reach 30g, make sure that as well as choosing higher-fibre options at meals, your snacks are rich in fibre too.

Is fibre a nutrient?

Dietary fiber and whole grains are an abundant source of nutrients including vitamins, minerals, and a slowly digestible energy. In addition, they contain phytochemicals such as phenolics, carotenoids, lignans, beta-glucan and inulin.

Incorporate high-fiber foods into your daily life in your regular meals as well as into snacks or smoothies. If you're trying to increase the fiber in your diet, it's also important to start slow and increase your dietary fiber intake over time instead of all at once.

Some high fiber foods you can add to your diet include: Bean, broccoli, berries, avocado, popcorn, apple, whole grains, dry fruit, nuts and potato.

فائبر کی 3 اقسام کیا ہیں؟

ناقابل حل ریشہ، گھلنشیل فائبر، اور پری بائیوٹک فائبر ہماری صحت اور تندرستی کے لیے ضروری ہیں۔ یہاں کیوں ہے - اور کون سے کھانے میں وہ ہوتے ہیں۔ فائبر کی تین شکلیں ہیں، اور ہمیں Sept-2020 - پھلنے پھولنے کے لیے ہر ایک میں سے کچھ کی ضرورت ہے۔02
ریشہ کا سب سے عام پیمانہ ہے جو جانوروں کی خوراک کے تجزیہ (NDF) نیوٹرل ڈٹرجنٹ فائبر کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ کیمیائی مرکبات کی منفرد کلاس کی نمائندگی نہیں کرتا ہے۔
پودوں کے خلیوں میں زیادہ تر ساختی اجزاء کی پیمائش کرتا ہے (یعنی لگنن، ہیمی سیلولوز اور NDF سیلولوز)، لیکن پیکٹین نہیں۔
ADF فائبر کا وہ حصہ ہے جو سیلولوز اور لگنن پر مشتمل ہوتا ہے۔ (ADF) ایسڈ ڈیٹرجنٹ فائبر کا تعلق چارے کے ہضم ہونے (توانائی) سے ہے اور اسے گھاس، ہیلیج اور مکئی کے سائیلج کے لیے کا حساب لگانے (NE) یا خالص توانائی (TDN) چارے کے کل ہضم ہونے والے غذائی اجزاء میں کم چارے عام طور پر توانائی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ ADF کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
(ایسڈ ڈٹرجنٹ لگنن)، جو فیڈ کی ہضمیت اور خالص توانائی کی قیمت کا تعین کرنے کے لیے ADL استعمال ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے لگنن جو تیزابی صابن کے محلول میں ناقابل حل ہے۔ ایسڈ پرکھ فیڈ کے نمونے میں لگنن کی مقدار کا حساب کرنے کا عمل ہے، جو (ADL) ڈٹرجنٹ لگنن پودوں کے سیل وال مرکبات میں سے ایک ہے۔

فائبر دو قسموں میں آتا ہے، دونوں صحت کے لیے فائدہ مند ہیں

حل پذیر فائبر والی غذاؤں میں دلیا، چیا کے بیج، گری دار میوے، پھلیاں، دال، سیب اور بلوبیریز شامل ہیں۔ ناقابل حل ریشہ، جو پانی میں تحلیل نہیں ہوتا، آپ کے نظام انہضام کے ذریعے خوراک کو منتقل کرنے میں مدد کر سکتا ہے، باقاعدگی کو فروغ دیتا ہے اور قبض کو روکنے میں مدد کرتا ہے۔

گھلنشیل اور ناقابل حل ریشوں میں کیا فرق ہے؟

گھلنشیل ریشہ خون میں کولیسٹرول اور شوگر کو کم کر سکتا ہے۔ یہ آپ کے جسم کو خون میں گلوکوز کے کنٹرول کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے، جو آپ کے ذیابیطس کے خطرے کو کم کرنے میں مدد کر سکتا ہے۔ ناقابل حل ریشہ آپ کے پاخانے میں پانی کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، جس سے آپ کی آنت پر کم دباؤ کے ساتھ گزرنا نرم اور آسان ہوتا ہے۔

کھجور والے جانوروں کی خوراک میں خام ریشہ اہم ہے، جو اس کے ایک بڑے حصے کو خمیر کر سکتا ہے۔ خام فائبر ذیل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ خام ریشہ فیڈ کے قابل خمیر اجزاء کی پیمائش کرتا ہے۔ خام فائبر میں توانائی کی قدر کم ہوتی ہے لیکن یہ خنزیر اور پولٹری میں آنتوں کی صحت کے لیے اہم ہے۔

غذائی ریشہ آپ کے پاخانے کا وزن اور سائز بڑھاتا ہے اور اسے نرم کرتا ہے۔ ایک بڑا پاخانہ گزرنا آسان ہے، جس سے قبض کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کا پاخانہ ڈھیلا، پانی دار پاخانہ ہے، تو ریشہ پاخانہ کو ٹھوس بنانے میں مدد کر سکتا ہے کیونکہ یہ پانی جذب کرتا ہے اور پاخانہ میں بڑی مقدار میں اضافہ کرتا ہے۔ آنتوں کی صحت کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔

آنتوں کی عام حرکت کیا ہے؟

آپ کو دن میں تین بار اور ہفتے میں تین بار پاخانہ گزرنے کی توقع کرنی چاہیے۔ دن میں تین بار سے زیادہ کوئی بھی چیز اسہال کی وجہ سے ہو سکتی ہے جبکہ ہفتے میں تین بار سے کم کوئی چیز قبض کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ پاخانہ بھورا ہونا چاہیے، اس کی ساخت مونگ پھلی کے مکھن جیسی ہونی چاہیے، اور سانپ کی طرح نظر آنا چاہیے۔

کیا جانوروں اور انسانوں کو ایک جیسے غذائی اجزاء کی ضرورت ہے؟

تقریب میں ایک پریزنٹیشن دینے کے بعد ایگری لینڈ سے بات کرتے ہوئے، پروفیسر مان نے کہا: "کیونکہ ہم ممالیہ جانور ہیں، جس طرح ہم گوشت کھاتے ہیں، ہمارے خلیات اور غذائی اجزاء کے لیے ان کی ضروریات بالکل وہی ہیں جو جانوروں کے لیے ہم کھاتے ہیں۔

جانوروں میں فائبر کا بنیادی کام کیا ہے؟

ریشہ بلک کو بڑھانے اور اضافی پانی کو جذب کرنے کا کام کرتا ہے، جو آنتوں کی باقاعدگی میں مدد کرتا ہے اور مضبوط، بنی ہوئی پاخانہ پیدا کرنے میں مدد کرتا ہے۔ فائبر آنتوں میں صحت مند بیکٹیریا پیدا کرنے میں بھی مدد کرتا ہے جو آپ کے کتے کے آنتوں میں ناپسندیدہ بیکٹیریا کی نشوونما کو روکتا ہے۔

جانوروں کے فائبر کی خصوصیات کیا ہیں؟

جانوروں کے ریشے جیسے کہ اون، کیشمیری اور الپاکا جب لباس میں بنائے جاتے ہیں تو بہت قیمتی ہوتے ہیں کیونکہ یہ مطلوبہ خصوصیات کی نمائش کرتے ہیں جیسے نرم لمس، گرم جوشی، خوبصورت لباس، پہننے میں بہترین آرام اور جدید مصنوعی رنگوں کا استعمال، بہت کم سایہ کی پابندیوں کے ساتھ . بے مثال رنگ کاری کے امکانات۔

فی دن کتنا فائبر؟

گرام 30

مجھے کتنا فائبر کھانا چاہئے؟ موجودہ سفارش یہ ہے کہ بالغوں کو روزانہ 30 گرام فائبر کھانا چاہیے۔ فی الحال، روزانہ اوسطاً 20 گرام کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے ہم میں سے اکثر کو بہت طویل سفر طے کرنا ہے۔ 30 گرام تک پہنچنے کے لیے، اس بات کو یقینی بنائیں کہ کھانے میں زیادہ فائبر والے آپشنز کا انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ، آپ کے اسنیکس میں بھی فائبر سے بھرپور رہو۔

کیا فائبر ایک غذائیت ہے؟

غذائی ریشہ اور سارا اناج وٹامنز، معدنیات، اور آہستہ آہستہ ہضم ہونے والی توانائی سمیت غذائی اجزاء کا وافر ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، ان میں فائٹوکیمیکلز جیسے فینولکس، کیروٹینائڈز، شامل ہیں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں زیادہ فائبر والی غذاؤں کو اپنے معمول کے کھانوں کے ساتھ ساتھ اسنیکس یا اسموتھیز میں شامل کریں۔ اگر آپ اپنی غذا میں فائبر کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، تو یہ بھی ضروری ہے کہ آہستہ آہستہ شروع کریں اور اپنے غذائی ریشہ کی مقدار کو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھا دیں۔

کچھ زیادہ فائبر والی غذائیں جنہیں آپ اپنی غذا میں شامل کر سکتے ہیں ان میں شامل ہیں: بین، بروکولی، بیر، ایوکاڈو، پاپ کارن، سیب، سارا اناج، خشک میوہ، گری دار میوے اور آلو۔

"معذرت نامہ"

کالم میٹھا سچ 791 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 25 مارچ 2024ء

ہم معذرت خواہ ہیں کہ بغض زرداری اور وقتی جوش میں ان قابل احترام شخصیات کو بھول گئے جن کو ان کی دہائیوں پر مشتمل قومی خدمات کے صلے میں صدارتی ایوارڈ ملے۔

اب اپنے اخلاقی فرض کی بجا آوری کی خاطر ہم نے 397 میں سے کوئی دو در جن کے لگ بھگ مشاہیر کے نام کہیں سے کاپی کئے ہیں جنہیں اسی پوسٹ میں درج کر رہے ہیں جہاں سے ہمارا مخالفانہ نکتہ نظر ابھرا تھا حالانکہ ہم نے سلیکشن پراسس میں رشوت، سفارش اور تعلق داری کی بات کی تھی تمغے ملنے والوں کی توہین نہیں کی تھی۔

فکشن نہیں حقیقت کو فروغ دینے کی خاطر ہم اپنے مشاہیر کے خلاف مایوسی کے سوداگر بن کر پاکستان کو بانجھ ثابت کرنا نہیں چاہتے اور اب تھوڑی سی کاوش سے اپنے حصے کا کام کرنا چاہ رہے ہیں۔

اب مندرجہ ذیل معززین کے نام بھی ملاحظہ کر لیں:

؟؟؟؟؟

ان ہیروز کے علاوہ ان سب کی خدمت میں بھی آداب جن کے نام ہمیں نہیں مل سکے۔

"طبقاتی نظام"

کالم میٹھا سچ 792 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 26 مارچ 2024ء

چالیس سال تک سرکاری ملازمت کر کے فیڈرل سیکریٹری کے عہدے پر پہنچنے والے ہمارے ایک قلمی دوست ہماری ہی ایک اور قلمی دوست کی اس تحریر سے اختلاف رکھتے ہیں کہ جس میں وہ فرما رہی ہیں کہ ایچی سن کالج سے پڑھنے والے جتنے بڑے عہدوں تک پہنچے زیادہ تو حرام خور ہی نکلے۔ مزید فرماتی ہیں کہ کوئی ایک ایسا یہاں کا طالب علم بتائیں جس نے اس ملک کے لیے بہترین کام کیا ہو یا کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ادارہ بنایا ہی رولنگ کلاس پیدا کرنے کے لئے تھا کم و بیش ساری سول و ملٹری بیوروکریسی یہیں کی پیداوار ہے۔ ادارہ برا نہیں اس کے مقاصد ضرور برے ہو سکتے ہیں۔

سلطان محمود

یہ غلط ہے کہ بیوروکریسی اور فوجی قیادت ایچی سن کی پڑھی ہوئی ہے۔ ایچی سن والے ان تھوڑی تنخواہ والے عہدوں پر نہیں آتے۔ بیوروکریسی اور فوجی قیادت زیادہ تر متوسط طبقہ کے گورنمنٹ سکولوں سے پڑھے ہوئے لوگ ہیں۔ میں گاؤں گورنمنٹ سکول کے شیشم کے درخت کے نیچے لگی کلاس میں بیٹھ کر پڑھنے والا وفاقی سیکریٹری کے عہدے تک پہنچا۔

محمد جاوید انور

جناب ہم نے زیادہ تر کی بات کی ہے۔ اکا دکا تو کہیں سے بھی آ سکتا ہے۔

سلطان محمود

زیادہ تر مڈل کلاس کے ہیں۔ اپر کلاس کے لوگوں کے لئے گریڈ سترہ کی نوکری کوئی کشش نہیں رکھتی۔ جو لوگ سروس میں نہیں وہ اندازے لگاتے ہیں جو بالکل غلط ہیں۔

سلطان محمود

سر معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ میں بھی اسی سروس میں رہا ہوں چھبیس برس۔ پہلی بات یہ ہے کہ سی ایس ایس والی سول سروس میں اکثریت جہاں سے فیڈ ہوتی ہے ان میں مڈل کلاس خاندان خال خال ہی نظر آتی ہے۔ ہاں پی سی ایس میں مڈل کلاس تھوڑی سی زیادہ ہے۔ سپیریئر سروس میں سیاسی رسوخ والے زمیندار اور سرمایہ دارانہ پس منظر رکھنے والے سول وملٹری اسٹیبلشمنٹ کے خاندانوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ سی ایس ایس کی ابتدائی ملازمت گریڈ سترہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ وہ الگ بات کہ بعد ازاں لگنے والے جمپ ایک مافیا کی سی کاروائی لگتی ہے کیونکہ نان سی ایس ایس کئی گنا زیادہ ذہین اور مستعد ہونے کے باوجود بیس سال بعد بھی بیسویں گریڈ میں نہیں پہنچتے اور اگر پبلک سروس کمیشن کی مدد سے پہنچ بھی جائیں تو ان طاقتور پوسٹوں پر تعینات نہیں کئے جاتے جہاں سے ملکی خزانہ اور اختیارات مٹھی میں رکھ کر عوام کو قابو میں رکھا جاسکتا ہو۔

بہر حال یہ ایک لاحاصل بحث ہے کیونکہ یہ انگریز کا دیا گیا ایک ایسا مضبوط طبقاتی تحفہ ہے جس کی وجہ سے ملک کی پوری سروس کلاس آج بھی اونچ نیچ کا شکار ہے۔

محمد جاوید انور

حیرت ہے سر کہ آپ چالیس برس میں فیڈرل سکریٹری کے عہدے پر پہنچے۔ سی ایس ایس والے کو تو بیس پچیس سال میں وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ یہ میرا گمان ہے باقی آپ بہتر جانتے ہوں گے۔

"قومیں ایسے بنتی ہیں"

کالم میٹھا سچ 793 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 28 مارچ 2024ء

آج کسی کی ایک انگریزی ٹویٹ سے متاثر ہو کر اردو ترجمہ کر کے سوشل میڈیا پر ڈالنے کا سوچا تو یہ مجھے کالم ہی بنانا پڑ گیا کیونکہ دوران ترجمہ میری جانب سے چند وضاحتی جملوں کا بھی اضافہ ہوا جو اپنی قوم کی حالت خواندگی کے لئے ضروری تھا۔

سنگاپور کی عوام نے اپنی وطن دوست ایجنسیوں کی مدد سے اپنے چوتھے اور موجودہ وزیر آعظم مسٹر لارنس وانگ کو کیسے چنا؟ مجھے تو یہ پڑھ کر اسلامی مجلس شوریٰ کے اپنے اولین خلفائے راشدین کے چناؤ کی داستان یاد آ گئی۔

مختلف اُمیدواروں کو چار سال تک سخت اور مشکل ترین کے پی آئی (کی پرفارمینس انڈیکیٹرز) کی چھانٹیوں سے گزارا گیا مثلاً ان کی ساری عمر کا نجی و عوامی کردار، سابقہ کارکردگی، عوامی بھروسہ اور شخصی معیار، وغیرہ جیسے تھے۔

ان چاروں رہنماؤں میں مسٹر وانگ نے مندرجہ ذیل خرابیوں یا منفی سرگرمیوں میں صفر نمبر حاصل کئے جو دیگر خوبیوں کے علاوہ ان کے چناؤ کی وجہ بھی بنی:

1۔ عوامی شکایات

2۔ ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزیاں

3۔ سرکاری طور پر پیشیاں

4۔ نسل پرستانہ بیانات

5۔ کرپشن اور رشوت

6۔ قانونی چارہ جوئی
7۔ ٹیکس فراڈ
8۔ اختیارات کا ناجائز استعمال
9۔ عالمی پولیس کی تفتیش
10۔ (اگر دسویں نمبر پر کچھ رہ گیا تھا تو شاید وہ جہالت تھی)

بر سبیل تذکرہ بتادوں کہ مسٹر وانگ دنیا بھر کی تعلیمی رینکنگ میں پہلے نمبر والی امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے معاشیات میں ایچ ڈی بھی ہیں دہری ڈگری کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ۔ ذرا سنگاپور کی خوش قسمتی کا اندازہ کریں کہ منتخب نہ ہونے والے باقی تین سیاسی رہنماء بھی مسٹر وانگ کی پوائنٹ سکورنگ سے خاصے قریب تھے۔

کیسا ہے یہ معیار رہنمائی بمقابلہ ہارس ٹریڈنگ والی ہماری جمہوریت کے؟ اپنے زمانے کے لحاظ سے کیا خلفائے راشدین بھی کچھ ایسے ہی نہ تھے؟ میں نے بوجوہ اولین ریاست مدینہ کی مثال دی ہے اور ٹویٹ کرنے والے صاحب کی جانب سے دی گئی اہل وطن کو دعوت فکر نظر انداز کر دی ہے کیونکہ خلیفہ دوم نے شاید انہی خوبیوں کی بنا پر اسلامی ریاست کو بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلا دیا تھا۔

حوالے کے طور پر اصل ٹویٹ بھی ملاحظہ کر لیں:

Singapore has chosen its PM. After four years of strict, tedious filtering and performance index review applied on four outstanding candidates. Finally, Mr. Lawrence Wong was chosen to take the responsibility as the 4th PM of Singapore. Mr.Wong, a

Double Degree and PhD. holder from Harvard University in Economics, was selected after he received the highest score in Character, Perfomance, Integrity, Quality and job KPI. Mr. Lawrence Wong scored ZERO in the following: 1. Public Complaints. 2. Police Traffic Summons. 3. Public Summon. 4. Racial hatred statements. 5. Corruption and Bribery. 6. Legal Court cases. 7. Tax fraud, 8. Abuse of Power. 9. FBI, CIA, Interpol checks. How about that for determining leadership competency, rather than flogging the old horse of democracy? This is how the nations are built through exceptional character of its leadership following the precedent setting of the Founders. It's a rich food for thought for Pakistani's.

"ایران؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟"

کالم میٹھا سچ 794 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، مارچ 2024ء

ہمارے ہاں برادر مسلم پڑوسی ملک ایران سے کشیدگی یا کہہ لیں عدم مقبولیت کی بھلا کیا وجوہات ہیں؟ ایسے ہی دیگر دو پڑوسیوں یعنی بھارت یا افغانستان سے کیوں ٹھنی رہتی ہے؟ رہا چین تو اسے بھی ہم نے نہیں چنا بلکہ اس نے ہمیں ہمیں چن رکھا ہے جبکہ ہم اپنے ماسٹر کے خوف سے کسی بھی لمحے چین سے عدم تعاون سے باز نہیں آتے۔ مجھے ان چاروں ممالک میں تھوڑا تھوڑا رہ کر نیز مغرب میں ان قومیتوں کے ساتھ کام کر کے کافی گہرائی میں جاننے کا موقع ملا ہے جسے جلد ہی کسی کالم میں بیان کرونگا۔

"شاعری کا مستقبل

کالم میٹھا سچ 795 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 29 مارچ 2024ء

میں شاعر نہیں اس لئے شاعر احباب کو چھیڑ تا رہتا ہوں ورنہ مجھے معیاری، عملی و ناصحانہ شاعری بہت پسند ہے۔ دنیا میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں میں شاعری لغو قرار دے دی جائے گی۔ اس کا مطلب ہی جلد ہی کاغذی شیروں سے جان چھوٹ جائے گی۔

جب تک انسان کے اندر لطیف جذبات انگڑائیاں لیتے رہیں گے۔ جب تک حاملہ ہونے پر عورت کے رخساروں پر حیا کی سرخی مچلتی رہے گی۔ جب تو ایک دوسرے کو دیکھ کر دو چاہنے والوں کے دلوں کی دف بجتی رہے گی۔ جب تک بچوں کی ہنسی لاترنم فضا میں موجود رہے گا۔ جب تک غنچے چٹکنے کی صدا آتی رہے گی۔ جب تک ساون کی رم جھم سے مٹی کو کھ سے سوندی سوندی خوشبو نکلتی رہے گی شاعری ختم نہیں ہو گی۔ بعید از قیاس نہیں کے صورِ اسرافیل بھی شاعری کی بندشوں میں ہی ہو۔

ارشد مرشد

یعنی شاعری موت کے پیغام کی ہی کوئی شکل ہو گی۔

"ان پڑھ اگین"

کالم میٹھا سچ 796 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 مارچ 2024ء

بقول شائستہ "تعلیمی اسناد شخصیت کی ترجمان نہیں ہوتیں" جو کہ درست ہے ورنہ کیا ہم جیسا انگوٹھا چھاپ فیس بک پہ دھکے کھا رہا ہوتا؟ ویسے بھی دنیا کی ہر ڈگری پانچ سال بعد بے اثر ہو جاتی ہے اس لئے ہم جیسے سبھی کو اب ان پڑھ ہی سمجھیں عذرا کا خیال ہے کہ اگر آپ اپ ڈیٹڈ نہیں ہیں تو ایسا ہی ہے جیسے آپ اس سبجیکٹ میں پرائمری پاس ہیں۔ ہم اگر ہارورڈ کی سنیں جس کی اپنی ڈگریوں بارے بھی تحقیق ہے کہ اپ ڈیٹ ہوں نہ ہوں دنیا کی ہر یونیورسٹی کی ڈگری پانچ برس بعد زمانے سے پیچھے رہ جاتی ہے لہٰذا بیکار ہو جاتی ہے۔ چونکہ میری پہلی ماسٹر چالیس برس پرانی ڈاکٹریٹ بتیس برس، آخری دو پوسٹ ڈاکٹریٹس بائیس برس اور دوسری ماسٹرز اٹھارہ برس قدیم ہیں اس لئے ہارورڈ کی تشریح کے مطابق اب یہ کاغذ کے ٹکڑے محض آثار قدیمہ ہی میں شمار ہو سکتے ہیں کیونکہ زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔

اپنے پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاک کی انفارمیشن شیئر کر دیا کریں کبھی کبھار جو ذہن میں بچا کھچا رہ گیا ہو۔

محترمہ کیا اچار ڈالیں گی ہماری انفارمیشن کا؟ یہ نشہ اب ہمیں تک رہنے دیں۔ ہم نے اب ڈگریاں، سرٹیفکیٹ، شیلڈز اور تمغے بھنگ کی طرح گھوٹ کر اس میں تیس سالہ زمینی اور بارہ سالہ آفاقی تجربے کی چاشنی ملا دی ہے۔ زندگی کے کمزور لمحات کی کڑواہٹ اور گھبراہٹ کم کرنے کے لئے پانی محبت اور مثبت فکری کے ڈسپنسر کا ملا لیا ہے اور دوستوں کی محبت کی خوشبو ڈال کر سارا دن اس نشے کو گھونٹ گھونٹ پیتا رہتا ہوں۔ اللہ کے بعد رہے نام فیس بک کا جہاں الٹ سلٹ ہانک کر مست ملنگ

بنا بیٹھا رہتا ہوں۔ سارے تعلیمی و تعریفی کاغذوں کے ٹکڑے تصویر بتاں کی مانند چھپا رکھے ہیں جو بعد مرنے کے میرے گھر سے نکلیں گے۔

ہاں آخرت کا بندوبست بھی کر رکھا ہے لہٰذا مرنے کے بعد بھی زندہ رہنے کی خاطر پنشن کی رقم سے دو ایک میڈیا پرسن پال رکھے ہیں جو تجربات کے چوالیس سالوں کو ہم عدد کتابوں میں ڈھال رہے ہیں۔ بھونکنے کے لئے اپنا یوٹیوب چینل اور فیس بک ہی کافی تھے لیکن دوستوں کے مشوروں کے سیلاب کے آگے بند نہیں باندھ سکا لہٰذا اس شور پر آشوب میں ڈوب کر اپنی ویب سائٹ اپ ڈیٹ کروا رہا ہوں کیونکہ آخرت کی زندگی اب انٹرنیٹ کی صورت میں ہی ہم سب کو زندہ رکھے گی۔

زندگی میری ہو سوشل میڈیا کی صورت خدایا۔

افتخار عارف کا یہ قطعہ مجھے بھلائے نہیں بھولتا:

کہاں کے نام و نسب، علم کیا فضیلت کیا
جہان رزق میں توقیر اہل حاجت کیا
شکم کی آگ لئے پھر رہی ہے شہر بہ شہر
سگ زمانہ ہیں ہم کیا ہماری ہجرت کیا۔۔۔

"غذائی عدم تحفظ"

کالم میٹھا سچ 797 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 30 مارچ 2024ء

گندم کی قیمتوں والی کاوش بھی بہت اچھی ہے لیکن اصل تصویر تب سامنے آئے گی اگر ان قیمتوں کا سالانہ آبادی میں اضافے اور جی ڈی پی سے بھی تقابل کیا جائے۔ یہ تقابل دیکھ کر آپ ششدر رہ جائیں گے کہ ملک عزیز میں غذائی عدم تحفظ کے عفریت نے 1964ء کے بعد سے ہم پر اپنے پنجے گاڑنے شروع کئے جب ایک جانب دینی جماعتوں نے خاندانی منصوبہ بندی والے ایوبی مشن کو ناکام بنایا اور دوسری جانب ایوب خان نے ہی فوجیوں کو ہزاروں بلکہ لاکھوں ایکڑ زمفت زمین دے کر غذائی تحفظ کا بیڑہ غرق کر دیا نیز بعد ازاں یہی زمیں زرعی پیداوار بڑھانے کی بجائے ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں تبدیل ہو گئی اور آج ہم گندم درآمد کرتے ہیں جس کا فائدہ بھی یہی مافیا اٹھاتا ہے۔

پچھلے تہتر سالوں میں سب سے نمایاں والا نظر آئے گا چاہے حکومتیں سیاسی رہی ہوں یا کمزوری یا ناقابل معافی امر بری (bad governance) آمرانہ۔ حکمرانی

اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہمیشہ ہر سال جی ڈی پی آبادی کے تناسب سے کم سے کم تین سے پانچ گنا زیادہ ہو۔ اس فارمولے کو کامیابی سے حاصل کرنے کے لئے ملائیشیا، بنگلہ دیش، بھارت اور چینی ماڈلز میں پہلا قدم فیملی پلاننگ کا تھا اور اگلا زرعی زمینوں پر رہائش ممنوع کرنا تھا۔ اگر ہم کچھ سمجھدار قوم ہوتے تو سب سے پہلے ان دینی و سیاسی جماعتوں پر مستقل پابندی عاید کر دیتے جو دین

کی روح سے ناواقف ہیں اور نہ صرف فیملی پلاننگ کرنے میں مانع ہیں یا پھر لینڈ گرینبگ مافیا کے قبضے میں ہیں۔

عزیز الرحمان

ایسی سوچ اب بھی پائی جاتی ہے۔ جنہوں نے آبادی کم کی ان کا انجام دیکھ رہے ہو؟ دنیا کا قانون طلب اور رسد پہ ہے جب آبادی ہی نہیں ہو گی تو طلب ہی نہیں رہے گی تو مصنوعات بنے گی ہی نہیں۔

انڈیا نے اپنی آبادی کم نہیں کی اور آج اسی افرادی قوت پہ چھا گیا ہے۔ جاپان کے پاس نوجوان نہیں ہیں فرانس آبادی بڑانے پہ شاندار پیکج دے رہا ہے خود چین پچھتا رہا ہے ابادی کم کر کے

ڈکٹر

عزیز الرحمن محترم گوگل پر جا کر میری سٹیٹمنٹ کا دوبارہ جائزہ لیں۔ چین، جاپان اور یورپ کی ترقی کی بنیادی وجہ آبادی کم کرنے سے ہوئی۔ جسے آپ چین کا پچھتاوہ کہہ رہے ہیں ایسی کوئی بات سرے سے ہی نہیں۔ جب وہ غریب تھے ہماری طرح تو انہوں نے "فی خاندان ایک بچہ" پالیسی پر نصف صدی تک سختی سے عمل کرایا جو نہی امیر ہوئے ہیں اور انہیں دنیا میں اپنے پھیلاؤ کی فکر ہوئی ہے تو اب "فی خاندان دو بچے" کی پالیسی لاگو کر دی ہے۔ ایسے ہی بھارت، ملائیشیا اور انڈونیشیا نے آبادی کم کر کے ترقی کی۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا ترقی یافتہ ملک نہیں ملے گا جس نے آبادی کے رفتا سست نہ کی ہو۔ جاپان میں بھی انسان کو مشین بننا پڑا تو وہ آبادی روکنے پر مجبور ہوئے اور ترقی کر گئے۔ فرانس، آسٹریلیا اور کینیڈا اپنے ممالک کے بے آباد سنگلاخ یا برفیلے علاقوں کو آباد کرنے کی خاطر غیر ملکیوں کو کمتر اور جفاکش سمجھ کر اپنے ملک میں بلاتے ہیں آبادی بڑھانے کے لئے نہیں۔

گویا کہ کوئی بھی باشعور ملک اپنی آبادی کو بغیر غذائی ذرائع بڑھائے آبادی نہیں بڑھاتا اور نہ ہی آبادی بڑھانے کو مشیت ایزدی سمجھتے ہیں۔

رہی بات طلب و رسد کی تو اسے کسی بھی ترقی یافتہ ملک نے اس طرح بنیاد نہیں بنایا جیسے آپ فرما رہے ہیں۔ یہ ایک بہت پیچیدہ عمل ہے جسے فرسٹ ورلڈ ہم سے ہزار گنا زیادہ معیشت اور آبادیات کی زبان میں سمجھتی ہے۔ آدم سمتھ نے تو اکنامکس کی تعریف ہی یہی کی ہے کہ "معیشت انسان کی قدرت سے اس کھوج یا سوال کا نام ہے جس میں قومیں دولت حاصل کرنے کی وجوہات (an inquiry into the nature and causes of the wealth of nations) " تلاش کرتی ہیں اس کی تشریح اگر ہم اپنے حساب سے کریں کہ "پہلے آبادی بڑھاؤ تا کہ طلب پیدا ہو اور پھر دولت کمانے کے لئے رسد بڑھا دو یا ہم سمجھیں کہ آبادی نہیں ہو گی تو طلب نہیں ہو گی" تو یہ بات فطری اور عمرانی لحاظ ہی سے غلط ہے کیونکہ آپ اس پروپیگنڈے سے متاثر لگتے ہیں کہ بھارت کی اس لئے قدر زیادہ ہے کیونکہ وہاں زیادہ آبادی کے باعث ضروریات زندگی کی عوامی طلب زیادہ ہے۔ ان معاملات کا تعلق قوت خرید سے ہے طلب و رسد سے نہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ یہ اتنا سادہ معاملہ نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔

لگتے ہاتھ ماہر آبادیات مالتھس کی آبادی کی تعریف بھی جان لیں۔ کہتا ہے کہ "جب ملک میں غذائی و دیگر ذرائع کی بڑھوتری اتنی گھٹ جائے کہ معیار زندگی ہی گر جائے تو نتیجتاً آبادی بھی کم ہو جاتی ہے" مزید کہتا ہے کہ قدرتی طور پر غذائی تحفظ ملتے ہی آبادی بڑھ جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہمیں قدرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانی آبادی بڑھانے سے پہلے اس کی خوراک پیدا کرو۔

"سائنس اور مذاہب"

کالم میٹھا سچ 798 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، 31 مارچ 2024ء

بی بی سی کی اردو سروس نے ایک تحقیقی پروگرام نشر کیا ہے جس میں ڈارون کی ارتقائی تھیوری پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم اسے عقیدے کی بجائے سائنسی نکتہ نگاہ سے لیتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سائنس ابھی خود ارتقائی مراحل میں ہے لہٰذا فیصلہ کن قانون جنم دینے سے قاصر ہے جونہی یہ بلوغت تک پہنچے گی سبھی مذاہب غائب ہو جائیں گے۔

اس پر عرب ممالک میں رہنے والے ایک ہم وطن کا جذبہ شہادت جاگ گیا ہے اور فرماتے ہیں کہ محترم جناب آپ بھی اگر ارتقائی عمل سے گزر رہے ہیں تو مان لیا کہ سب مذاہب غائب ہو جائیں گے۔ لیکن ایک سسٹم کے تحت تو انسان نے اور جانداروں نے رہنا ہے وہ سسٹم متعارف کروائیں؟ آپ ہزار کتابوں کے مطالعے کی بعد بھی اس سسٹم کو اسلام کے قریب ترین پائیں گے۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ اور دوسری بات اسلام کو صرف ایک مذہب کے حد تک پڑھنا یا سمجھنا اپنی لاعلمی ہے اسلام ایک پرفیکٹ رول آف لائف ہے اسے مذہب تک محدود مت رکھیں۔ امید ہے تھوڑے کو زیادہ سمجھیں گے۔

ہمارا ماننا کے کہ اگر ہم انہیں یہ لکھ دیں کہ آپ اپنے عقیدے کی عقیدت سے مغلوب ہو کر بحث میں حصہ لے رہے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ اسلام بارے دلائل دے کر آپ اللہ کے ہاں ثواب دارین پا جائیں گے تو عرض ہے کہ پھر ہم بحث نہ ہی کریں تو بہتر رہے گا کیونکہ موجودہ موضوع بحث علمی ہے تقدیسی نہیں۔ اللہ توفیق دے ہمیں تو پہلے ہم قرآن کریم کو تو مکمل سمجھ لیں پھر اپنا اپنا علم بھی جھاڑ لیں گے۔

میں اصل اسلام کو مذہب سمجھتا ہی نہیں بلکہ دین کامل سمجھتا ہوں جو اس وقت کرہ ارض پر کہیں پر بھی نافذ نہیں ہے۔ اور رہی اسلام کی مذہبی شکل تو وہ ہزاروں کی تعداد میں دو ارب مسلمانوں میں بکھری پڑی ہے جو اس لئے مٹ کر رہے گی کیونکہ اسے بے عمل اور گمراہ مسلمانوں نے جنم دیا ہوا ہے۔ دین اسلام کی جو شکل پہلی ریاست مدینہ میں تھی وہ سو سال بعد نہ تھی اور جو تب تھی وہ اب نہیں کیونکہ ہم نے دین کا پانچواں رکن جہاد حذف کر دیا ہوا ہے۔ پچھلے ہزار سال سے رفتہ رفتہ ہم قرآن چھوڑتے چلے گئے اور اجتماعی قوت کو ریزہ ریزہ کرتے انفرادی مذہبی حجت میں الجھ کر شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ عملی حقیقت تو یہی ہے جو ہم نے لکھ دی ہے لیکن آپ اگر نرگسیت کا شکار رہنا چاہتے ہیں تو سو دفعہ رہیں۔ ہم نے مزید یہ عرض کر کے شاید خود ہی انہیں دعوت مبارزت دے دی ہے کہ اگر وہ ہمارے درجے پر رہ کر بحث جاری رکھنا چاہتے ہیں تو بہتر ورنہ ہم ایک دوسرے کی توہین کئے بغیر یہیں پہ چپ ہو لیتے ہیں۔ ایک چپ سو سکھ۔ جوابی گولہ باری کا انتظار ہے۔

"حس لطیف"

کالم میٹھا سچ 799 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، یکم اپریل 2024ء

جو چیز آپ کو انسان بناتی ہے۔۔ آپ کے اندر سے غیر انسانی کھردراپن ختم کرتی ہے۔ دل کو نرم و گداز بناتی ہے۔ خیر سے جوڑتی ہے۔ جرم کا راستہ روکتی ہے۔۔ صحیح معنوں میں جینٹل مین بناتی ہے۔

وہ ہے آپ کی حسِ "aesthetics

جمالیات۔ یعنی

حسِ جمالیات کی تربیت کا سب سے اہم ذریعہ "شاعری" پڑھنا ہے۔۔ آپ میں شاعری کا ذوق نہیں تو یہ کوئی قابلِ فخر بات نہیں۔۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ آپ نے سائنس، میڈیکل، بزنس پڑھا۔ موقع نہیں ملا، یا سمجھ نہیں آتی۔ یا آپ نے اسے کارِ بیکاراں سمجھا۔ آپ ابھی بھی اپنے ذوق کی تربیت کر سکتے ہیں کلاسیکل شعرا کو پڑھ کے۔ چلیں غالب سمجھ نہیں آتا۔ میر تقی میر بہت آسان ہے۔ اسے پڑھنا شروع کریں۔ شعر کا پورا سمجھ آجانا ضروری نہیں ہے۔ یہ آدھی ادھوری سطح پہ بھی آپ کے ذوق کی تربیت کر رہا ہوتا ہے۔ آپ کو احساس مسرت دیتا ہے۔ تھارسس کرتا ہے۔ ڈپریشن کو کم کرتا ہے۔

آپ اپنی مادری زبان یا اردو کو حقیر جانتے ہیں تو انگریزی شاعری پڑھیں۔ انگریزی ادب پڑھیں۔ چاہے آپ بزنس مین، ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان یا کچھ بھی ہیں۔ اپنے آپ کو خالصتاً انسانی جوہر سے جوڑنے کے لیئے ذوق کی تربیت کرتے رہا کریں۔

ذوق کی پستی کا شکار ہو گئے جیسے کہ آج کے کئی نوجوان ہیں تو یہ آپ کی شخصیت میں گراوٹ پیدا کرتی ہے۔ یہ دیکھنے والے محسوس کر لیتے ہیں۔۔

مجھے یاد ہے آج سے چار سال پہلے آصف سعید کھوسہ ملتان بار میں ایک تقریر کر رہے تھے۔۔ انہوں نے بڑی خوبصورت بات کی۔ ان کے انگلینڈ کے ایک انگریز پروفیسر جو وہاں کی یونیورسٹی میں وکلا اور مجسٹریٹ کے سیمینار سے تقریر کر رہے تھے تو انہوں نے وکلا سے کہا آپ کو اچھا وکیل بننے کے لئے، اچھا مجسٹریٹ کے لئے ہسٹری، میتھمیٹکس کے ساتھ ساتھ لٹریچر آنا ضروری ہے۔ وہ کیوں کہہ رہے تھے اس کی اپنی وجوہات ہیں کہ اپنے اندر کو بیان کرنے کے لئیے آپ کا لفظ پہ قدرت ہونا ضروری ہے۔ یہ صرف لٹریچر پڑھنے سے آتا ہے۔

ہر بڑا دماغ اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔

یعنی آپ کچھ بھی ہیں، لفظ میں جینا، رہنا اور اس پہ اختیار ہونا ضروری ہے۔

آپ نے کتنی خوبصورت بات کی ہے اور میرا شاعروں سے اجتناب کا مخمصہ حل کر دیا ہے۔ میں نے لطیف خیالات کو بے، نثر یا دیگر ادبی صنفوں کی شکل میں خوب پڑھا ہے اور اس نے میری جمالیاتی حس کو بہت پروان چڑھایا ہے اسی لئے سائنس میں ڈوب کر کمال حاصل کرنے تک میں کبھی بھی ادب لطیف سے پرے نہیں ہٹا۔ گو کہ مجھے شاعروں ادیبوں کی بے عمل اور بیکار زندگی سے اب بھی چڑسی محسوس ہوتی ہے اس لئے میں ان کی شخصیت کی بجائے ان کے محسوسات اور ادب پارے پڑھ کر ذہن کو سیر اب کرتا ہوں۔

چونکہ میں بنیادی طور پر شخصیت پرستی کا مخالف و ناقد ہوں اس لئے مذاہب اور سیاسیات میں عملاً گہری ڈبکی لگا کر بھی بد ظن ہی رہا ہوں۔ لیکن مجھے آپ کی وضاحت نے مطمئن کر دیا ہے کہ ادب،

سائنس، مذہب، سیاست اور سیاحت کے میدانوں میں کمال پانے کے ساتھ ساتھ اگر جمالیاتی حس زندہ ہے تو پھر آپ ہمیشہ مثبت فکر ہی رہتے ہو اور مطمئن رہتے ہو۔

"چلو ہار مانتے ہیں"

کالم میٹھا سچ 800 از ڈاکٹر سلطان محمود

لاہور، یکم اپریل 2024ء

ملکی اداروں میں تقسیم در تقسیم کے واقعات براہ راست قومی ترقی میں رکاوٹ بن گئے ہیں اور اس وجہ سے روز بروز عوام میں عام آدمی کی حالت بہتر بنانے کا عمل رکا ہوا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ عام آدمی سیاسی محبت اور نفرت کے شیطانی چکر سے باہر نکل آئے اور عالمی طاقتوں کو ہماری اندرونی سیاست کا خونی کھیل کھیلنے دے اور ہم یکسوئی سے محنت مشقت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتے رہیں۔ ہم نے پچھتر سال سے دیکھ لیا ہے کہ ملکی معاملات مکمل طور پر اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھ میں ہیں جو اپنی ناجائز روزی روٹی کی لڑائی روکنے کو قطعاً تیار نہیں اور عام آدمی تو ان کے سامنے محض ٹوائلٹ پیپر ہے۔ ہم جتنی جلد طاقتور غالب طبقے کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لیں گے اتنا ہی بہتر ہو گا اور حکمران طبقے کو بار بار جعلی جمہوریت کے لئے جعلی چناؤ پر ہر پانچ سال بعد اربوں روپے ضائع نہیں کرنے پڑیں گے۔

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

فکرِ سلطان

ڈاکٹر سلطان محمود

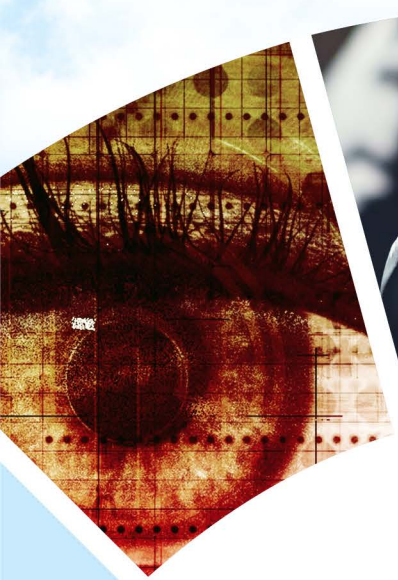

8

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

فکرِسلطان

ECOCARE Consultancy Services (Pvt) Ltd.

ECAP

SOCIETY OF ANIMAL SCIENCES

PAFP — PAKISTAN ACADEMY OF FAMILY PHYSICIANS

ڈاکٹر سلطان محمود

مفکر، محقق اور نقاد

"فکرِ سلطان" کی تمام سیریز آفیشل ویب پر موجود ہیں

ڈاکٹر سلطان محمود نے سائنسی انداز میں تحریکی کارکن بن کر غذائی تحفظ کی عالمی خود مختار تحریک کو مقامی رہنما کے طور پر پاکستان میں ایک غیر معمولی موڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے افکار اور عملی جدوجہد نے 'فکر سلطان' جیسی ایک طاقتور دستاویزی سیریز جنم دی ہے۔ اس میں وہ اپنی آدھی صدی کی شبانہ روز کوشش کو شاندار کہانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اہم معلومات سے بھری وہ تاریخ بھی بیان کر رہے ہیں جو ملک عزیز کے غیر مستحکم حالات کے باوجود مقامی اور نچلی سطح کے مسائل کو قومی اور عالمی سطح پر کچھ اس انداز سے اٹھا لے جاتے ہیں کہ جہاں وہ حیاتیاتی تنوع یا بایوڈائیورسٹی کی ہیئت تبدیل کئے بغیر کارپوریٹ تسلط کے ساتھ جنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ڈویلپمنٹ مافیا کے خلاف کس طرح نچلی سطح کی لڑائی کو اٹھا کر قومی اور عالمی سطح پر لے جایا جاتا ہے۔ ان کی یہ سوچ بھی قابل داد ہے کہ دنیا بھر میں مقامی سطح کی کمیونٹی ہمیشہ مقدس اور خود مختار ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے علم اور حقوق کو حاصل کر کے مستقبل کی دنیا کی حقیقی کہانی کا نقشہ ترتیب دے سکے۔

ISBN
9 789697 431625

ذاتیات، غذائیات، حیوانیات، ماحولیات، سیاسیات، مزاحیات اور ادبیات پر مبنی ایک بے مثال فکری مسافت

ڈاکٹر سلطان محمود، مینیجنگ ڈائریکٹر، ایکوکیئر کنسلٹنسی سروسز، لاہور۔ بانی انوائرنمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان؛ سوسائٹی آف اینیمل سائنسز اور ایگزیکٹو پاکستان اکیڈیمی آف فیملی فزیشنز

Mobile | +92 321 4302528 | Ecocare | www.ecocare.pk | ECAP | www.ecap.pk | PAFP | www.pafp.com.pk